فہرست

لمعات:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے	محمد عمر، لاہور	3
پھر وہی دو عیدیں	عارف محمود کسانہ، سٹاک ہوم (سویڈن)	6
دین کے دعاوی کے نتائج اس کی صداقت کے ثبوت ہوتے ہیں	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	9
لغات القرآن (ق در)	ادارہ	16
شرم ہی تو نہیں آتی	جاوید چودھری	22
مطالب الفرقان فی دروس القرآن سے متعلق چند تاثرات	ادارہ	26
قصۂ زیدؓ میں تعبیر کی غلطی	انجینئر عبید الحمید فاروقی، ملتان	31
استدراک کی مزید وضاحت	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	58

اشاریہ مجلّہ طلوع اسلام

محترم غلام احمد پرویز کی زیرنگرانی ماہنامہ طلوع اسلام کا 1938ء میں اجراء ہوا۔ جس میں مختلف موضوعات پر وقیع علمی و تحقیقی مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس تاریخی مجلّہ کے مندرجات و مضامین کا تفصیلی اشاریہ 1938ء تا 1990ء ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں دستیاب ہے۔ بڑے سائز کے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس دستاویز کی قیمت صرف 300 روپے علاوہ ڈاک خرچ ہے۔ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عمر، لاہور

لمعات

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے

انسان غالباً واحد مخلوق ہے جو عقل، شعور، قوت، فیصلہ، اختیار، ارادہ اور صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے علم سے درپیش مسائل کا ادراک کرے اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش Trial & Error، Hit & Trial پھر Error & Correction کرنے اور عقل سلیم رکھنے والے انسان Correction & Perfection کی طرف بڑھنے کی جستجو بھی کرتے ہیں۔ اس Process میں کئی نسلیں رائیگاں زندگی گذارتی ہیں اور اس میں صدیاں لگتی ہیں۔

وحی یہ سارے مدارج ایک ہی جست میں طے کر لیتی ہے اور وحی یہ دعوت دیتی ہے کہ جو لوگ پاکیزہ اور قوانین فطرت کے ساتھ ہم آہنگ زندگی گذارنا چاہیں ان کے لئے وحی کی آیات میں بلاشک وشبہ سیدھا اور آسان راستہ موجود ہے۔ وحی کی آخری شکل قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس قرآن کی آیات کے اتباع میں انسانیت کو ایک ایسا نظام قائم کر کے دکھا دیا تھا جو انسانیت کی معراج تھا جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم تھا نہ محتاج۔ ہر انسان آیات قرآنی اور قوانین فطرت سے ہم آہنگ ہو کر قرب خداوندی حاصل کر سکتا تھا۔ نبی ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن آخری کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اٹھا لیا۔ نبی ﷺ کا اسوہ حسنہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اسی اسوہ حسنہ کی روشنی میں انسانیت جب چاہے اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات کے دروازے اپنے لئے کھول لے۔ لیکن یہ انسان کو خود کرنا ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی حضرت محمد ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ہے اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے اور یہ بڑا بنیادی عقیدہ ہے اس عقیدے کی ایک حکمت یہ ہے کہ اب کوئی نوح علیہ السلام آ کر طوفان سے خبردار نہیں کریں گے بلکہ انسان کو خود علم حاصل کرنا ہوگا تاکہ آنے والے طوفانوں اور خطرات سے آگاہی حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین فطرت کے مطابق ان کا سدباب کرے اور ان سے بچاؤ کے ذرائع اختیار کرے۔

ہم نے Global Warming کی اللہ تعالیٰ کی Waring کو نظر انداز کیا اور آج سیلابی طوفانوں کی یلغار کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ Global Warming کا عذاب بھی انسانوں کے قوانین فطرت کے خلاف اعمال کے نتیجہ میں ہم پر

نازل ہوا ہے اور ابھی تک انسانوں نے اس سے اجتماعی توبہ نہیں کی اس لئے اس سے بھی بھیانک عذاب مسلط ہونے کے خطرات موجود ہیں۔ ابھی تو ہم سیلاب کے عذاب میں ہی گرفتار ہیں۔ اس سیلاب کا By Product یعنی سیلاب زدگان کا سیلاب ایک ایسا سیلاب ہوسکتا ہے کہ جو اپنے نتائج کے اعتبار سے اس سیلاب سے کہیں زیادہ تباہ کن ثابت ہو۔ پانی کی بنیادی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ڈھلوان کی طرف بہتا ہے اور دوسری یہ کہ یہ اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ یعنی جہاں سیلاب آتا ہے وہاں کنوئیں پانی سے بھر جاتے ہیں اور Overhead Watertanks منہدم ہوجاتے ہیں۔ زمین پر انسانی ملکیت کے تمام نشان مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ جب سیلاب کا پانی گذر جاتا ہے اور زمین خشک ہوجاتی ہے تو انسانوں کے بنائے ہوئے سارے نشانات بھی مٹ جاتے ہیں اور انسانوں کی ملکیت کے سارے ریکارڈ نقشے اور فائلیں بھی بہہ جاتی ہیں اور اگر کہیں یہ نقشے اور فائلیں الماریوں میں پڑی مل بھی جائیں تو کورے کاغذ نہ سہی' سوائے سیاہی کے دھبوں کے کچھ نہیں رہتا۔ یہ تو ایک نقشہ اس سیلاب کا ہے جس کا عذاب جاری ہے۔ سیلاب زدگان کا سیلاب بھی کچھ صفات رکھتا ہے۔ یہ سیلاب بلندی کی طرف بہے گا۔ دوسری صفت مشترک ہے یعنی یہ سطح ہموار رکھنے کی کوشش کرے گا۔ انسانی ذاتی ملکیتوں کے سارے ریکارڈ تہس نہس کردے گا۔ اس میں بھی کنوئیں ابل پڑیں گے اور Overhead Reservoirs منہدم ہوجائیں گے۔

ایک سیلاب تو ہم نہیں روک سکے۔ دوسرے سیلاب کو روکنے کی مہلت بھی بہت کم رہ گئی ہے۔ اس کو روکنے کے لئے ایک تجویز یہ ہے کہ سیلاب زدگان کی ضروریات وہ جہاں ہیں وہاں نہ صرف پوری کی جائیں بلکہ ان کی عزت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو ان کی اصل رہائشوں تک سکونت حاصل کرنے میں ہر ذرائع سے مدد کی جائے اور اس کو جلد از جلد ممکن بنایا جائے۔ ورنہ کچھ نشانیاں جو فطرت دکھا رہی ہے عقل رکھنے والوں کو دعوت فکر دے رہی ہیں۔

1- انسانی بربریت کا مظاہرہ جو سیالکوٹ میں کیا گیا اور اس سے ملتے جلتے کئی اور واقعات جو بوجوہ میڈیا پر پوری طرح Cover نہ ہوسکے۔

2- کسی قیمت پر بھی دولت حاصل کرنے کی حرص اور ہوس۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں بے لگام مہنگائی اور اس سے دولت حاصل کرنے اور پھر عمرہ اور نفلی حج کر کے احساس گناہ سے چھٹکارا حاصل کرنے جیسے عقائد اور Match Fixing جیسے جرائم کا ارتکاب۔

3- ایک سیاسی جماعت کی طرف سے ہاریوں کو اس بات کی دعوت عام اور اپنی جماعت کی حمایت کی یقین دہانی کہ اٹھو اور سب زمینوں اور محلوں پر قبضہ کرلو اور ملک کی مسلح طاقت اور قوت کے سرچشمے کے سربراہ اور مہتمم کو دعوت کہ محبّ الوطنی کا ثبوت دو اور غاصبوں' لٹیروں' وڈیروں' جاگیرداروں اور زرداروں کو ملیامیٹ کردو اور حقداروں کو حق تقسیم کردو۔

لیکن اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے منشاء خداوندی کے مطابق ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے قرآن کی راہنمائی ضروری ہے یعنی اللہ کی زمین پر بسنے والے اللہ کے بندوں پر اللہ کی حکومت' اللہ کے بندے جو اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید میں دیئے گئے اللہ کے احکامات کے مطابق باہمی مشاورت سے قائم کریں گے اور وہ حکومت اللہ تعالیٰ کی صفات ''عزیز الحکیم'' اور ''ربوبیت'' کی داعی ہو گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارف محمود کسانہ، سٹاک ہوم (سویڈن)

پھر وہی دو عیدیں

آپ کی خبر کی وجہ سے لوگوں نے سویڈن میں جمعرات کو عید کی جو کہ سراسر غلط ہے باقی یورپ میں زیادہ تر لوگوں نے جمعہ کو عید منائی مگر یہاں پہلے ہی جمعرات کو عید ہو رہی تھی'' شیخ صاحب بہت غصہ میں کمرے میں براجمان ہوئے اور مجھے شاید ہلال کمیٹی کا چیئرمین سمجھ رہے تھے جس نے جمعرات کو یہاں عید کا اعلان کیا۔ میں نے عرض کی شیخ صاحب عید کا اعلان آئمہ حضرات اور مساجد کی انتظامیہ نے کیا تھا اور میں ان میں سے کسی کا بھی حصہ نہیں ہوں۔ میں نے بطور صحافی خبر اخبارات کو ارسال کی تھی جو کہ ایک صحافی کی ذمہ داری ہے۔ ''لیکن مجھے یہ بتائیں کہ انہوں نے چاند دو تین دن پہلے ہی کیسے دیکھ لیا تھا۔ یہ ترکی والوں کے کیلنڈر کی کارستانی ہے'' میں نے پھر عرض کی کہ یہ آپ ان سے دریافت کریں۔ میں نے اپنی خبر میں واضح کر دیا تھا کہ عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے لوگ عید جمعہ المبارک کو کریں گے۔ شیخ صاحب پھر گویا ہوئے کہ حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ ''چاند دیکھ کر عید کرو اور چاند دیکھ کر ہی رمضان شروع کرو'' اس لئے کیلنڈر کیسے بن سکتا ہے یہ تو چاند کی 29 تاریخ کو ہی علم ہوسکتا ہے کہ کل روزہ ہوگا یا عید۔ آپ لوگ تو ہمیں چاند دیکھنے کے ثواب سے بھی محروم کر رہے ہیں۔ شیخ صاحب کے غصہ میں قدرے کمی آئی تو میرے پاس بیٹھے ہوئے میر صاحب بولے' شیخ صاحب آپ کا کہنا بجا ہے کہ ہمیں حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور چاند دیکھ کر ہی رمضان کا آغاز اور عید کرنی چاہئے۔ یقیناً حدیث نبویﷺ کی اہمیت ہے مگر کیا قرآن کی اہمیت حدیث سے زیادہ نہیں اور قرآن کے احکامات پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ شیخ بولے کیوں نہیں قرآن حکیم کے ہر حکم پر عمل ضروری ہے۔ اس پر میر صاحب گویا ہوئے اگر چاند دیکھ کر عید کرنا حدیث کی روشنی میں ضروری ہے اسی طرح قرآن حکیم نے سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ سحری کے وقت اس وقت تک کھانا کھاؤ جب تک صبح کا سفید ڈورا رات کے سیاہ ڈورے سے الگ نہ ہو جائے اور رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ آپ لوگ یہاں سحری اور افطاری کے ٹائم ٹیبل کیوں استعمال کرتے ہیں۔ باہر جا کر سفید یا سیاہ ڈورا کیوں نہیں دیکھتے؟ اور رات کو افطاری کے لئے بھی ٹائم ٹیبل کیوں استعمال کرتے ہیں اس وقت بھی آسمان کو دیکھ کر افطاری کیوں نہیں کرتے۔ اگر ٹائم ٹیبل پر عمل کرنے سے خلاف قرآن عمل قرار نہیں پاتا اسی طرح

چاند اور سورج کے طلوع وغروب کا مکمل حساب موجود ہے۔ ٹائم ٹیبل سے ہی سورج کے طلوع ہونے کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ جو انتہائے فجر بھی ہے۔ اب شیخ صاحب قدرے دھیمے لہجہ میں بولے لیکن چاند کو تو آنکھ سے دیکھنا ضروری ہے جو کہ یقینی ہوتا ہے کیلنڈر تو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ میر صاحب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شاہ صاحب بولے اللہ کے عطا کردہ علم سے انسان چاند اور سورج کی منازل کا درست وقت معلوم کر رہا ہے اسی علم کی بدولت وہ چاند کو اپنے قدموں تلے روند چکا ہے۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کا مکمل علم پہلے سے ہو جاتا ہے اس لئے یہ یقینی علم ہے جیسے زندگی کے دیگر شعبہ جات میں ہم سائنسی علوم اور اشیاء کو استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جب سائنسی علم سے طبی تشخیص کرتا ہے تو ہم اس وقت اعتراض نہیں کرتے۔ جہاں تک آنکھ سے دیکھنے کا تعلق ہے تو حضورﷺ نے جس دور میں یہ فرمایا تھا اس وقت صرف آنکھ ہی دیکھنے کا ذریعہ تھی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سائنسی آلات اور علوم کی بنیاد پر رویت ہلال نہ کریں۔ قرآن جب کائنات پر غور وفکر کا حکم دیتا ہے اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ شیخ صاحب بولے آپ سائنس کو مذہب میں نہ ملائیں۔ جو ہمارے اسلاف نے کیا ہے' وہی ہم کریں گے۔ اس پر میر صاحب نے کہا جناب شیخ اس سوچ نے پہلے ہی مسلمانوں کو بہت پسماندہ رکھا ہے اب اگر ہم اسی سوچ پر عمل پیرا ہوئے تو ایک طرف ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے دوسرا خود یہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہے کہ مسلمان زمین آسمان کی تحقیق وتسخیر نہ کریں۔ بدقسمتی سے چونکہ ہمارے علماء سائنسی علم سے واقف نہیں ہوتے اس لئے وہ فوراً ان کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ جب انسان نے چاند کی تسخیر کی تو بہت سے علماء نے فتویٰ دیا کہ جو یہ یقین کرے گا کہ انسان چاند پر گیا ہے اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ بلکہ ایک مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ اگر چاند پر گئے بھی ہیں تو چودھویں کے چاند پر گئے ہوں گے پہلی تاریخ کے چاند پر جائیں تو پتہ چلے۔

اب شیخ صاحب نے گفتگو کا رخ اس طرف موڑا کہ ہمیں سعودی عرب کی پیروی کرنی چاہئے جب وہاں رمضان اور عید ہو ہمیں بھی اسی وقت کرنی چاہئے۔ شاہ فرمانے لگے کہ قرآن وسنت میں کہیں نہیں کہ سعودی عرب کی پیروی کرنی چاہئے۔ تمام دنیا کے ممالک اور سعودی عرب ایک ہی جغرافیائی خطہ میں واقع نہیں ہیں۔ آپ سعودی عرب کے اوقات کے مطابق نمازیں' سحر اور افطار نہیں کر سکتے دوسرا اگر وہاں واقعی شرعی حکومت قائم ہو تو پھر بھی قرب وجوار کے ممالک ایسا کر سکتے ہیں۔ سعودی عرب نے رمضان اور عید کے حوالے سے مرکزی حیثیت اور قابل تقلید مثال بننا ہے تو اسے سائنسی انداز میں ایک مستقل کیلنڈر ترتیب دے دینا چاہئے۔ بلکہ یہ معاملہ ترکی اور سعودی کش مکش کی بجائے اسلامی کانفرنس کی سطح پر سائنسی علوم اور قرآن وسنت سے اجتہاد کر کے مستقل بنیادوں پر طے کر دینا چاہئے۔ ہمیں کسی ہلال کمیٹی کی ضرورت نہیں۔

جیسے نمازوں کے اوقات اور سحر و افطار کے ٹائم ٹیبل موجود ہیں اسی طرح سال بھر کا (قمری) کیلنڈر ہونا چاہئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر طاہر القادری نے ایک مستقل کیلنڈر بنایا ہوا ہے مگر مزے کی بات یہ ہے کہ خود منہاج القرآن کی مساجد اس کی پیروی نہیں کرتیں۔

میر صاحب نے بڑی فکر انگیز بات یہ کی کہ اسلامی ممالک اور پاکستان میں فرق نہیں پڑتا جو یورپی ممالک میں رہ رہے ہیں کچھ دن ہی قبل میرے کام پر سویڈش لوگوں نے عید کا پوچھا کہ یہ کب ہو رہی ہے تو میں نے کہا کہ جمعرات یا جمعہ کو۔ تو انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم کیوں نہیں۔ ہر سال تمہارے ہاں دو دو عیدیں ہوتی ہیں۔ تمہارے دین کے پاس تمہارے اس مسئلہ کا بھی حل نہیں۔ جبکہ ہماری کرسمس ایک ہی دن ہوتی ہے۔ میں نے کہا میر صاحب کرسمس تو شمسی کیلنڈر کے مطابق ہوتی ہے اس لئے ہر سال 25 دسمبر کو ہی ہوتی ہے مگر ہماری عید تو چاند کے مطابق ہوتی ہے اس لئے تعین نہیں ہوسکتا۔ میر صاحب بولے میں نے بھی یہی کہا تھا مگر وہ بولے ہمارا ایسٹر چاند کے مطابق اپریل میں ہوتا ہے اور یہ ہر سال مختلف ہوتا ہے مگر پوری دنیا میں ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اگر ہم عیسائی پوری دنیا میں ایک دن چاند کے مطابق ایسٹر کر سکتے ہیں آپ لوگ عید کیوں ایک دن نہیں کرتے۔ میر صاحب کہنے لگے میں لاجواب ہوگیا۔

شاہ صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ عید دینی اور مذہبی دن کے ساتھ ساتھ ایک خوشی کا دن اور معاشرتی تہوار بھی ہے۔ لوگ دور دراز سے سفر طے کر کے عید کرنے گھر پہنچتے ہیں۔ عید کے روز ایک دوسرے کو ملتے ہیں اور سماجی تعلقات اور مضبوط ہوتے ہیں مگر یہ کیا کہ کچھ لوگ عید منا رہے ہوں اور کچھ روزے سے ہوں۔ ہمارے ایک امام صاحب نے عید کی نماز پڑھائی جبکہ ان کی بیگم نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ ان امام صاحب نے اگلے روز دوسروں کے ساتھ مل کر عید پڑھی۔ اسی طرح ایک امام صاحب نے فرمایا کہ آج تو میں عید کر رہا ہوں مگر بعد میں ایک روزہ بھی رکھوں گا خود ہی سوچئے عید نہ ہوئی کوئی مذاق ہوا۔ میر صاحب نے ایک اہم بات کی کہ سویڈن میں بہت سی مقامی حکومتوں نے کہا کہ وہ بچوں کو سکول سے عید کی چھٹی دے سکتے ہیں مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ کچھ بچوں کو وہ ایک دن چھٹی دیں اور کچھ کو اگلے روز بلکہ ہم رات کو سکول فون کریں کہ کل میرے بچے کو عید کی چھٹی دیں' یہ ممکن ہی نہیں۔

ہماری گرم جوش گفتگو چائے کی آمد کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی جب میں نے احباب سے کہا کہ یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہے گا ہر سال یہی باتیں ہوتی ہیں اور پھر ہم اگلے سال کا انتظار کرتے ہیں۔ ہر عید پر تنازعہ ہماری روایت ہے کیونکہ ہم ایسے مسائل کا حل نہیں چاہتے بقول اقبال

آئینِ نو سے ڈرنا' طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

دین کے دعاوی کے نتائج
اس کی صداقت کے ثبوت ہوتے ہیں

مغربی ممالک میں تقریباً پندرہویں صدی عیسوی سے عام بیداری شروع ہوئی۔ اور اسی عرصہ کے دوران علمی تحاریک شروع ہوئیں۔ حیرت یہ ہے کہ یورپ کے تمام ممالک بیک وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے شانہ بشانہ ترقی کرنی شروع کی۔ خصوصاً انگلستان میں اس وقت بڑے بڑے مفکرین اور سائنسدان پیدا ہونے شروع ہوئے۔ علمی و سائنسی رجحان زیادہ تر مذہب کے خلاف ہی تھا۔ بائبل کی تعلیم چونکہ بالکل خلاف عقل تھی اس لئے اس دور کے مفکرین مذہب سے برگشتہ بلکہ بیزار تھے۔ ان میں بھی جو لوگ طبعاً سعید الفطرت تھے۔ انہوں نے خدا کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو Deist یا Theist کہتے تھے۔ یہ مذہب کی تعلیم کے خلاف، لیکن اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے۔ اس دور میں مذہب کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا خصوصاً Thomas Paine کی کتابوں کی بہت شہرت بھی ہوئی اور انہوں نے بہت زیادہ کردار ادا کیا۔ Paine نے اپنی کتاب میں بائبل کے تضادات کو خوب واضح کر کے تحریر کیا۔

ہمارے موجودہ دور میں بھی وہاں مذہب کے خلاف بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اس بارے میں Karen Armstrong کی کتاب A History of God اور ہاکنگ کی کتاب The Delusion of God بہت مشہور ہیں۔

آپ مذہب کے خلاف مغربی مفکرین کی تمام کتابوں کا مطالعہ فرمالیں آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ وہ جو کچھ مذہب کے خلاف لکھ رہے ہیں اس کا زیادہ تر حصہ درست ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جس کے سامنے قرآنِ خالص ہوتا ہے، وہ ان کی بیشتر چیزوں کی تصدیق کرے گا۔ ہمارے ہاں مسلمانوں میں بھی صدرِ اول کے بعد سے ''مذہب'' ہی

چلا آ رہا ہے اور مغربی مفکرین اسلام پر بھی بطور ''مذہب'' کے ہی اعتراض کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے چونکہ قرآن کریم کو بطور ''دین'' کے خود ہی نہیں اپنایا' اس لئے ان مفکرین کے سامنے بھی قرآن کا دینی تصور کبھی نہیں آیا۔ وہ یہ خیال ہی نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظام کس درجہ انسانیت پرور' غریب نواز' اور انسانی صلاحیتوں کو نشو ونما دینے والا ہے۔ اب انہوں نے Political Islam کی ایک اصطلاح 'Coin (وضع) کی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس اصطلاح سے ان کے ذہن میں دین کا تصور سامنے آتا' لیکن ہم مسلمانوں کی بدقسمتی کہ اس دور میں مختلف اسباب و وجوہ کے باعث تشدد Violence اس درجہ بڑھا ہے کہ انہوں نے اس مبنی بر تشدد اسلام کو ہی دین کے مرادف سمجھ لیا ہے۔ نہ ان تشدد پسندوں کے سامنے دین اور مذہب کا فرق نمایاں ہے اور نہ ہی ان مغربی مفکرین کے سامنے۔

مذہب کی کوئی جامع و مانع تعریف نہیں کی جا سکتی۔ نہ یہ خارج میں کسی جگہ ہوتا ہے۔ مذہب چند رسوم و روایات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو کسی جگہ ادا کیا جا سکتا ہے' مذہب میں نتائج مرنے کے بعد سامنے آتے ہیں۔ مذہب کا کسی معاشرہ یا سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا' نہ کوئی شخص کسی مذہب کو صحیح یا غلط ثابت کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف دین موجود فی الخارج ہوتا ہے چونکہ اس کے دعاوی کے نتائج اس دنیا میں برآمد ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اس کے صحیح یا غلط ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ دین جو دعاوی کرتا ہے اگر وہ دعاوی پورے ہو جائیں تو آپ سمجھ لیں کہ یہ دین درست ہے اور اگر اس کے دعاوی ہی پورے نہ ہوں' تو ظاہر ہے کہ وہ دین درست نہیں ہو سکتا۔ اس معیار کو سامنے رکھ کر آپ دین خداوندی کے دعاوی کو ملاحظہ فرمائیں' یہ دعاوی کوئی بھی مذہب نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم کا دعویٰ ہے: **قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (6:135)**۔ (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ اے میری قوم' تم بجائے خود' جو چاہو کرو' میں بھی بجائے خود' عمل کر رہا ہوں۔ پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخر الامر کامیابی کس کے لئے ہے اور ظالم یقیناً کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ نظری طور پر تو دونوں کی طرف سے یہ دعویٰ تھا کہ وہ سچے ہیں' لیکن یہ کس طرح معلوم ہو کہ سچا کون ہے۔ مذہب میں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کون درست ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کا واضح حل دے دیا ہے کہ اپنے اپنے نظریات کے مطابق عمل کرتے چلے جائیں۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا دعویٰ درست ہے۔ قرآن کریم نے فسوف' یعنی پھر عنقریب' کے الفاظ لا کر یہ واضح کر دیا کہ اس کا فیصلہ

بہت جلد اسی دنیا میں سامنے آ جائے گا۔

قرآنِ کریم کو چونکہ اپنی صداقت و حقانیت پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ ہے اس لئے وہ بار بار اس بنیادی و اساسی اصول کو پیش کرتا ہے کہ قرآن کریم کے نظام پر عمل کر کے دیکھ لیا جائے۔ خود اس کے دعاوی کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے: وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ (11:93)۔ (ترجمہ) اے میری قوم تم اپنی جگہ جو چاہے کرو، میں بھی بجائے خود کرتا ہوں، عنقریب ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے جو اسکو رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ اس آیت میں بھی، سوف، یعنی عنقریب کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ عنقریب وہ عذاب نازل ہوگا اور عنقریب جھوٹے اور سچے کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ دین کے اتباع اور اس کی مخالفت کے نتائج اسی دنیا میں سامنے آ جاتے ہیں۔ ان کے لئے قیامت یا آخرت کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔

سورہ زمر میں پھر تقریباً وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو 11:93 میں استعمال ہوئے ہیں جبکہ ارشاد عالی ہے: قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (39:39-40)۔ اے رسول کہہ دو اے میری قوم تم اپنی جگہ جو چاہو عمل کرو۔ میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں پھر عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر وہ آفت آتی ہے جو اس کو (اس دنیا) میں رسوا کر دے اور اس پر دائمی عذاب بھی نازل ہوگا۔

قرآنِ کریم کا یہ دعویٰ بڑا عظیم دعویٰ ہے اور جس اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ وہ اسے پیش کرتا ہے وہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ یہ چیلنج صدر اول میں پورا ہوا۔ اور اس کو پھر دوبارہ پورا کرنے کے لئے مومنین کی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو قرآن کریم کے نظام کو بطور دین کے پیش کرے، یہ مذہب کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی یہ علماء کرام کے بس کی بات ہے۔

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

قرآنِ کریم کی ایک عجیب و نادر بات پر غور فرمائیں کہ اگرچہ دنیا کی تمام حکومتیں قوت کے زور پر وجود میں آتی ہیں لیکن قرآن کریم کی رو سے ایمان اور اعمال صالحہ کے نتیجہ میں حکومت حاصل ہو جاتی ہے (24:55) اس کے نزدیک قوت و طاقت کے ذریعے حکومت حاصل کرنا درست نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نہایت پرامن طریقہ سے مکہ میں اپنی تیرہ سالہ زندگی بسر کی اور مکہ میں ہی بیعت عقبۂ اولیٰ و بیعت عقبۂ ثانی واقع ہوئیں اور معاہدہ عقبہ کے موقع پر ہی حضور ﷺ نے نقباء کا تقرر فرما دیا۔ نقباء کے تقرر سے مدینہ میں اجتماعی نظم کی ابتدا ہوگئی اور نقباء کے

ذریعہ مدینہ میں ایک منظم سیاسی معاشرہ کی تعمیر ہونی شروع ہوگئی۔ (تاریخ کے مطابق) معاہدہ عقبہ 12 ذی الحجہ 12 نبوی میں ہوا۔ محرم اور صفر کے صرف دو ماہ بعد ہی ربیع الاول 13 نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے فوری بعد حضور ﷺ نے نہایت دور بینی اور تدبر سے کام لے کر عقد ''مواخاۃ'' قائم فرمایا۔ اس میں کسی قسم کا جبر نہیں تھا۔ یہ عقد ''مواخاۃ'' نہایت رضا و رغبت سے قائم ہوا۔ اس کے بعد ریاست کا آغاز ہوگیا۔ حضور ﷺ کے جاری کردہ احکامات کی اطاعت سب کے لئے فرض ہوگئی دنیا کی یہ واحد مملکت تھی جس کا قیام بغیر کسی قوت کے استعمال کے عمل میں آیا' حضور ﷺ نے بالکل غیر مانوس ماحول میں متضاد و متخالف عناصر کے تعاون سے یہ حکومت قائم فرمائی۔ یہ ریاست دیگر تمام ریاستوں جیسی ریاست نہیں تھی۔ یہ ایک نظریاتی ریاست تھی۔ حضور ﷺ نے یہ تعاون کسی قوت کے زور پر حاصل نہیں کیا تھا بلکہ ایک معاہدہ تھا جس کے ذریعے یہ ریاست وجود میں آئی تھی۔ حضور ﷺ کا یہ معاہدہ تاریخ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور سیرت نگار ابنِ اسحاق اور ابنِ ہشام دونوں نے اسے بالاستیعاب نقل کیا ہے۔ اس تاریخی دستاویز کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تقریباً 50 سے زیادہ شقیں (Articles) تھیں۔ یہ حضور ﷺ کا ایک انقلابی اقدام تھا کہ حضور ﷺ نے اس معاہدہ کے ذریعہ پہلی مرتبہ مدینہ کو شہری مملکت قرار دیا۔ معاہدے کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ''انھم امۃ واحدۃ من دون الناس'' یعنی یہ تمام گروہ دنیا کے دوسرے لوگوں سے الگ ہوکر ایک علیحدہ سیاسی وحدت متصور ہوں گے۔

اس ریاست کی تفصیلات کتبِ تاریخ میں بہت شرح وبسط سے مذکور ہوئی ہیں' جن کا تذکرہ کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ بات پیشِ خدمت عرض کرنی ہے کہ اس ریاست کا آغاز ربیع الاول ایک ہجری میں ہوا۔ ریاست بغیر کسی قوت وتشدد کے وجود میں آ گئی۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد 17 رمضان 2 ہجری بدر کا واقعہ پیش آیا اور بدر کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لیکن یہ سب لڑائیاں مدینہ کی ریاست کے دفاع میں تھیں اگر کفار اس ریاست پر حملہ نہ کرتے' تو یہ ریاست خود بخود مستحکم ہوتی چلی جا رہی تھی' اور اسلام کی تبلیغ بھی بغیر تشدد کے پھیلتی جا رہی تھی۔ قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے ریاست قائم ہوسکتی ہے' صدر اول میں ہی پورا ہوگیا تھا۔

مسلمان کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے القرآن (3:139, 4:141, 30:47) حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ ریاست وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اس ریاست کا رقبہ دس لاکھ مربع میل اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں 32 لاکھ مربع

میل پر مشتمل تھا۔ حضورﷺ نے اپنے زمانہ میں مقامی حکام اور امراء مقرر فرما دیئے تھے القرآن ,4:83) (2:188 اور ان مقامی حکام کی اطاعت ہی اللہ و رسول کی اطاعت کے مرادف تھی۔ مملکت کے کاروبار کے سلسلہ میں حضورﷺ مدینہ شریف سے باہر بھی جاتے رہتے تھے اور اپنی جگہ مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرما جاتے تھے۔ عموماً حضرت ابنِ اُم مکتوم کو اپنی جگہ مقرر کر کے جاتے تھے۔ حضورﷺ کی عدم موجودگی میں حضرت ابنِ اُم مکتوم کی اطاعت ہی اللہ و رسول کی اطاعت تھی، مقصود بالذات اسلامی ریاست کی اطاعت تھی۔ حضورﷺ کی ذاتی اطاعت مقصود بالذات نہیں تھی۔ حضورﷺ نے اپنے دور میں اسلامی ریاست کا ادارہ اور دیگر ادارے اس درجہ مضبوط کر دیئے تھے کہ شخصی اطاعت کے تصور کی بجائے اداروں (ریاست) کی اطاعت کا تصور جگہ پکڑتا جا رہا تھا۔

قرآنِ کریم کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ اسلامی نظام میں ہر شخص کے رزق کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہوتی ہے (11:6, 6:151, 17:31) حضورﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے نئے اصول مقرر فرمائے۔ صدقات و زکوٰۃ کا نظام قائم فرمایا۔ حضورﷺ نے 9 ہجری میں زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے ہر قبیلہ کے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے یہ محصلین قبائل کا دورہ کر کے، زکوٰۃ و صدقات حاصل کرتے تھے۔ یہ محصلین جب واپس آتے تو حضورﷺ کو پورا پورا حساب دیتے تھے۔ آمدنی کی ان ہی مدات سے ہر شہری کو رزق مہیا کیا جاتا تھا۔ اور حضورﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی بستی میں ایک شخص بھی بھوکا سو گیا، اس بستی سے حکومت کی اطاعت مرفوع ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اس دور کے افسران کی تنخواہ کا تعلق ہے اس کی شرح بھی حضورﷺ نے خود ہی مقرر فرما دی تھی۔ فرمایا کہ "من کان لنا عاملاً فلیکتب زوجه فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادماً وان لم یکن له، مسکن فلیکتب مسکناً ومن اتخذ غیر ذلك فهو غال"۔ جو شخص ہمارا عامل ہو، اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہئے۔ اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا خرچ لینا چاہئے، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔"

حضورﷺ کے خلاف کفار اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے اس کے پاس تو نہ کوئی خزانہ ہے اور نہ ہی کوئی باغ القرآن 25:8- فرمایا کہ خدا کی ذات بڑی قدرت والی ہے۔ اس کے پاس باغوں کی کمی ہے نہ خزانوں کی۔ یہ کفار ایک باغ کو کہتے ہیں۔ خدا اگر چاہے تو تمہارے لئے بہت سے باغات اور بہت سے ایوان و محل تیار کر دے۔ یہ سب چیزیں تمہیں ایک دن ملنی ہیں، کہا ذرا انتظار کرو پھر دیکھو کہ یہ تو ایک باغ و محل کو کہتے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی تہذیبوں اور ان کی زمینوں کے کتنے باغات

تمہارے قبضہ میں آتے ہیں۔ تم خود دیکھنا کہ کیسے کیسے محلات تمہارے قبضہ میں آتے ہیں۔ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُوراً (25:10)- ایران کی فتح سے قرآن کریم کے یہ تمام وعدے پورے ہوئے اور عربوں کو وہ مالِ غنیمت حاصل ہوا جو ان کے آباء واجداد کو بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں ان اموال وغنائم کو دیکھ کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غنائم واموال کے ساتھ حضرت سعدؓ نے ان کی ایک فہرست بھی حضرت عمرؓ کو روانہ کی تھی۔ اس فہرست میں جو چیزیں درج تھیں وہ سب وہ تھیں جن کا وعدہ قرآن کریم نے مومنین سے کیا ہوا تھا۔ قرآن کریم کے یہ وعدے اس طرح دین میں پورے ہوتے ہیں۔ یہ مذہب کے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے کسی وقت یا شخصیتوں سے منسلک نہیں ہوتے۔ اس کے وعدے دائمی ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لئے پورے ہوتے ہیں ہمارے موجودہ دور میں پاکستان کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدوں کی بنیاد پر ہوا تھا۔ مسلم لیگ کا قیام تو 1906ء میں ہو گیا تھا لیکن 1906ء سے لے کر 1940ء تک نہ تو لیگ کے سامنے کوئی متعین نصب العین تھا اور نہ ہی لیگ نے اس دوران کوئی تعمیری کام کیا۔ البتہ 1940ء میں مسلم لیگ نے پاکستان کے قیام کا ریزولیوشن (Resolution) پاس کیا اور سات سال کے مختصر عرصہ میں مسلم لیگ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ پاکستان کے قیام میں کسی قسم کی طاقت یا قوت کا استعمال نہیں کیا گیا۔ انگریز حکومت کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی گئی' مسلم لیگ کا ایک ممبر بھی ایک دن کے لئے قید نہیں ہوا۔ بغیر قوت کے استعمال کے پاکستان حاصل ہو گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کے قیام کے فیصلے کے بعد' ہندوؤں نے جوشِ انتقام میں جھگڑے شروع کر دیئے جس میں تقریباً ایک ملین آبادی جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر مشتمل تھی' قتل کر دی گئی لیکن اس جوش انتقام اور قتل و غارت کا حصول پاکستان کی جدوجہد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ ایک ماہر وکیل عدالت میں فیصلہ جیت لے اور اس کے مخالف اس کو کمرۂ عدالت کے باہر نکلنے پر زدوکوب کرنے لگیں۔ پاکستان تو قائداعظمؒ کی قانونی مہارت سے حاصل ہوا۔ پاکستان کے لئے کوئی قیمت ادا نہیں کی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم مسلمان ان تمام وعدوں سے مکر گئے اور بالکل منحرف ہو گئے۔ اور آج اسی انحراف کا خمیازہ بھگت رہے ہیں اور حالات اس بات کی طرف واضح اشارے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے ان وعدوں سے انحراف سخت تباہی و بربادی کا باعث ہوگا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (85:12)- بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔

اب بھی موقع ہاتھ سے نہیں نکلا ہے اور ہمارے

لئے کشادکی راہ موجود ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام بغیر کسی تشدد اور ہنگامہ آرائی کے اب بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ وہ فکر جو صرف قرآنِ خالص پر مبنی ہو' اس کی اشاعت و ترویج کی جائے۔ خُوئے پرستش کا کلی طور پر استیصال کیا جائے اس میں ہر طرح اور ہر نوع کی پرستش شامل ہے۔ واضح رہے کہ دین میں خدا پرستی سے مقصود خدا کے قوانین کو دنیا میں عملاً رائج کرنا ہوتا ہے اور نیک عملی کے معنے ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا ہوتا ہے اور یہی دین کا مقصود و منتہیٰ ہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا **اور یہ بھی** کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔ لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔ ۲۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔

۳۔ زرِ شرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔ ۴۔ اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

برائے رابطہ اپنا ٹیلی فون نمبر یا موبائل نمبر ادارہ طلوع اسلام کو ضرور ارسال کریں۔ شکریہ

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

ق در

قـــــدر کے بنیادی معنی ہیں اندازہ۔ پیمانہ۔ قدرت الشی ء کے معنی ہیں میں نے اس چیز کو ماپا۔ اس کا اندازہ کیا۔ اس کی لمبائی چوڑائی جسامت' کمیت وغیرہ کو متعین کیا۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے' کتنی ہے' اس کا تناسب کیا ہے۔ اور قدر الشیئی بالشیئی۔ کے معنی ہیں اس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ رکھ کر ماپا اور اس طرح اندازہ کیا کہ وہ اس کے برابر ہے یا نہیں۔ یا ان دونوں کا باہمی تناسب کیا ہے۔ قدرت علیہ الثوب کے معنی ہیں اس نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے۔ قدرت علیہ الشیئی کے معنی ہیں میں نے اس چیز میں ایسی مناسب تبدیلیاں کر دیں کہ وہ اس پر بالکل فٹ آ گئی۔ لہٰذا تـــقـــدیـــر کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے مطابق بنا دینا۔ اور مـــقـــدار اس پیمانے یا ماڈل یا (Pattern) کو کہتے ہیں جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے (تاج۔ محیط۔ لین۔ راغب)۔ قـــدر کے معنی ہیں کسی شے کا اندازہ۔ پیمانہ' حجم' جسامت۔ طول' عرض' وغیرہ۔ ھـذا قدر ھذا کے معنی ہیں یہ چیز اس دوسری چیز کے اندازے' پیمانے' جسامت' وغیرہ کے بالکل برابر ہے۔ اس کے عین مطابق ہے۔ دونوں ایک ہی قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ جـــاء عـــلـــی قـــدر کے معنی ہیں وہ بالکل اندازے کے مطابق آیا اور جاوز قدرہ کے معنی ہیں اس نے اپنے اندازے' حدود' پیمانے سے تجاوز کر لیا۔ اس سے آگے نکل گیا۔ اقـــدر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنی رفتار میں اس اندازہ اور توازن سے چلے کہ اس کے پچھلے پاؤں ٹھیک اس جگہ پڑیں جہاں اس کے اگلے پاؤں پڑے تھے۔ قـــدار اس شخص کو کہتے ہیں جو مناسب اور معتدل قد کا ہو۔ نہ زیادہ لمبا نہ چھوٹا۔ الـمقتدر۔ ہر چیز کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔ کـم قـدرة نخلک۔ تمہاری کھجوروں کے درختوں کے درمیان کس قدر معین فاصلہ ہے (تاج۔ محیط۔ لین۔ راغب)۔ عوام کی بولی میں الـمقدر اس شخص کو کہتے ہیں جو کھیتی اور درختوں کا اندازہ کر کے بتائے کہ غلے کی کتنی مقدار پیدا ہونے کی امید ہے۔ قـــدر۔

ہانڈی یا دیگ کو کہتے ہیں۔اس کی جمع قدور ہے۔قدیر۔ اس گوشت کو کہتے ہیں جو (مناسب مسالوں کے ساتھ) ہنڈیا میں پکایا جائے۔قدار۔ ایسا کھانا پکانے والے کو کہتے ہیں (نیز قصائی کو بھی) (تاج۔محیط۔لین۔راغب)۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ۔یا کسی چیز کو اندازہ اور پیمانے کے مطابق بنا دینا۔نیز کسی چیز کے تناسب اور توازن کا ٹھیک ٹھیک قائم رکھنا۔ متوازن اور معتدل رہنا۔ ان بنیادی معنوں کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم کے متعدد مقامات آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے۔

(۲) چونکہ کسی چیز کو کسی خاص پیمانے اور اندازے کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز پر پوری پوری مقدرت حاصل ہو' اس لئے قدر کے معنی کسی چیز پر اقتدار و اختیار رکھنے کے بھی ہیں۔قدرت علیٰ الشیئی کے معنی ہیں مجھے اس قدر قوت حاصل تھی کہ میں اس چیز کو اپنی مرضی یا پیمانے کے مطابق بنا دیتا۔مالی علیک مقدرۃ (یامقدرۃ۔یامقدرۃ یاقدرۃ) کے معنی ہیں مجھے تم پر کوئی اقتدار و اختیار حاصل نہیں۔اس بنا پر قدر کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو تیار و ہموار کرنے یا کسی معاملہ کو سرانجام دینے کے لئے اس پر غور و فکر کرنا۔اسی سے اس کے معنی فیصلہ کرنے کے آتے ہیں (تاج۔محیط۔راغب)۔

(۳) ایک چیز کو آپ بغیر ناپے تولے یونہی دے دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس میں کشادگی یا فراخی کا پہلو ہوتا ہے۔ لیکن دوسری چیز کو آپ ناپ تول کر دیتے ہیں۔اس میں تنگی کا پہلو ہوتا ہے۔اس لحاظ سے قدر کے معنی تنگی کے بھی آتے ہیں۔ یعنی کسی کو ماپ تول کر دینا (تاج۔محیط۔راغب)۔ نیز اس کے معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں۔یعنی جس مقام پر کوئی ہے اس کا صحیح صحیح اندازہ رکھنا (تاج۔محیط۔راغب)۔

سورہ رعد میں ہے۔انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرھا (۱۳/۱۷)اللہ بادلوں سے بارش برساتا ہے تو ندی نالے اپنے اپنے ظرف (قدر) کے مطابق بھر کر بہ نکلتے ہیں۔یہاں سے قدر کے معنی اندازے یعنی ظرف اور پیمانہ کے واضح ہیں۔سورہ حجر میں ہے۔وان من شیئی الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم (۱۵/۲۱)۔کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے ہاں خزانے موجود نہ ہوں لیکن ہم اسے ایک متعین اندازے اور پیمانے کے مطابق باہر لاتے رہتے ہیں۔سورہ سبا میں ہے کہ وحشی اقوام کے کاریگر' حضرت سلیمانؑ کے لئے منجملہ دیگر اشیاء قدور راسیت (۳۴/۱۳)۔یعنی ایسی دیگیں جو ایک جگہ گڑی رہیں' بنایا کرتے تھے۔یہاں قدر کے معنی دیگ کے ہیں۔

کسی پر غلبہ واقتدار حاصل کر لینے کے معنوں میں سورہ مائدہ میں ہے۔ من قبل ان تقدروا علیہم (۵/۳۴)۔ قبل اس کے کہ تم ان پر غلبہ حاصل کر لو۔ سورہ انبیاء میں ہے۔ فظن ان لن نقدر علیہ (۲۱/۸۷)۔ اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پا سکیں گے۔ یا اس سے کوئی مواخذہ نہ کر سکیں گے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر (۱۷/۳۰)۔ یہاں قدر۔ بمقابلہ بسط آیا ہے۔ بسط کے معنی ہیں فراخی اور کشادگی۔ لہٰذا قدر کے معنی ہیں تنگی یا کسی چیز کا نپا تلا ملنا۔

تقدیر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان (ش۔ی۔ا) میں مشیت کے معنی دیکھئے اور ان تینوں گوشوں پر غور کیجئے جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ گوشۂ اول وہ ہے جہاں امر الٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے اور اس کے لئے قواعد وضوابط (قوانین) اور خواص متعین ہوتے ہیں۔ یہی قواعد وضوابط و خواص ان اشیاء کے پیمانے ہیں۔ انہی کو ان کی ''تقدیریں'' کہا جاتا ہے۔ آگ کی تقدیر یہ ہے کہ وہ حرارت پہنچاتی ہے۔ پانی کی تقدیر یہ ہے کہ وہ سیال ہے' نشیب کی طرف بہتا ہے' ایک خاص درجہ حرارت پر پہنچ کر بھاپ بن جاتا ہے اور جب اسے ٹھنڈ پہنچائی جائے تو پتھر کی طرح سخت ہو کر برف بن جاتا ہے۔ سورہ فرقان میں ہے خلق کل شیء فقدرہ تقدیرا (۲۵/۲)۔ اللہ نے ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر ان کے لئے پیمانے اور اندازے مقرر کر دیئے۔ امام راغب نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشیاء کے متعلق تقدیر الٰہی (پیمانوں) کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شے کو کامل طور پر یکبارگی بنا دے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہوتا وقتیکہ خدا اسے فنا کرنا یا بدلنا نہ چاہے۔ (جیسے سمٰوات) اور دوسری یہ کہ کسی شے میں کچھ بننے کی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی۔ جیسے بیج میں درخت بننے کی صلاحیت۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔

امام راغب نے جو پہلی بات کہی ہے (کہ بعض چیزوں کو جو کچھ بننا تھا وہ بن چکی ہیں) سو وہ جس زمانے میں گذرے ہیں اس میں وہ یہی کچھ کہہ سکتے تھے۔ ہمارے زمانے میں انکشافات جدیدہ کا رخ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی تغیرات نہیں ہوتے ان میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تغیرات بڑے غیر محسوس اور غیر مرئی طریقہ سے واقع ہوتے ہیں۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر تقدیر کے معنی

ہیں کسی شے کو ترقی دیتے ہوئے اس قدر (Pattern) کے مطابق بنا دینا جو اس کے لئے متعین ہے۔ یعنی اس کی ممکنات (Potentialities) کا مشہود (Actualise) ہو جانا اور اس طرح اس کا اپنے آخری نقطہ تک پہنچ جانا۔ مقدور۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ اپنے پیمانے کے مطابق سامنے آتی رہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسےٰؑ کے تذکار جلیلہ کے ضمن میں ہے کہ جب انہیں پہلی مرتبہ طُور پر (نبوت سے سرفراز کرنے کے لئے) بلایا گیا تو ان سے کہا گیا کہ نبوت تمہیں یونہی اتفاقیہ نہیں مل گئی کہ۔۔ آگ لینے کو آئے پیمبری مل جائے۔۔ اس کے لئے تمہیں شروع سے تیار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ تم اس طرح پیدا ہوئے۔ اس طرح تمہاری پرورش ہوئی۔ اس طرح تم مدین کی طرف آئے۔ اس طرح وہاں تم نے گلہ بانی کی۔ اس طرح تمہاری تربیت ہوئی۔ اور یوں ان مختلف منازل میں سے گذر کر ثم جئت علی قدر یموسیٰ (۲۰/۴۰)۔ تم' اے موسیٰ! اس اندازے پر پہنچ گئے۔ اس پیمانے کے مطابق بن گئے جو نبوت کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور یہ سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق ہوا (واضح رہے کہ حضرت موسےٰؑ کو اس کا کچھ علم نہیں تھا کہ انہیں کن مراحل میں سے گذارا جا رہا ہے اور کس مقصد کے لئے گذارا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ نبی کو نبی ہونے سے پہلے اس کا علم و احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ نبوت کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ نبوت وہبی ہوتی ہے۔ کسب و ہنر سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔) یہاں لفظ قدر نے اپنا مفہوم بالکل واضح کر دیا۔

سورۃ اعلیٰ میں ہے۔ الذی خلق فسویٰ۔ و الذی قدر فھدیٰ (۸۷/۲۰۳)۔ اللہ وہ ہے جو مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق کرتا ہے۔ پھر ان میں مناسب اعتدال پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کے لئے ان کے پیمانے اور اندازے مقرر کرتا ہے اور ان کی اس راستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے جس پر چل کر وہ ان پیمانوں اور اندازوں کے مطابق بن جائیں۔ یہ ہے خدا کا نظام ربوبیت جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور جس کی رو سے کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تقدیر تک پہنچتی چلی جاتی ہے۔ انسان کے اندر بھی کچھ بننے کی صلاحیتیں (Potentialities) رکھ دی گئی ہیں۔ لیکن اسے دیگر اشیائے کائنات کی طرح مجبور نہیں کر دیا گیا کہ وہ صرف اس راستہ پر چلے جس پر چلنے سے اس کی یہ تمام صلاحیتیں نشو و نما پا کر تکمیل تک پہنچ جائیں۔ اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو یہ راستہ اختیار کرے اور چاہے دوسرا راستہ جس سے اس کی یہ صلاحیتیں دب کر رہ جائیں۔ ان دونوں راستوں میں امتیاز' وحی کی رو سے ہوتا ہے۔ (جو قرآن

کریم کے اندر محفوظ ہے)۔ اب انسان جو راستہ اختیار کرے گا' یا اس راستے میں جس مقام پر ٹھہر جائے گا' اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح مثلاً جب تک پانی سیال رہتا ہے تو اس پر سیالیت (Liquidity) کا قانون نافذ رہتا ہے اور جب منجمد ہو جاتا ہے تو پھر جمادیت (Solidity) کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان جو کچھ بننا چاہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ ابتداء (Initiative) انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا کا قانون اس کا اتباع (Follow) کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم۔ (۶۱/۵)۔ جب انہوں نے ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ دوسری جگہ ہے۔ یوفک عنہ من افک (۵۱/۸)۔ اس (صحیح راستے) سے اسی کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے۔ یعنی انسان جو راستہ اختیار کرتا ہے' اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ انسان کی ممکنات (Realisable Possibilities) کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس لئے اس کے لئے تقدیرات (یعنی قوانین خداوندی) کے انتخاب کا میدان بھی لامحدود ہے۔ یہ جیسا خود بن جائے گا ویسی اس کی ''تقدیر'' بن جائے گی۔ اقبال کے الفاظ میں:۔

حرفے باریکش بہ رمزے مضمر است
تو اگر دیگر شوی او دیگر است
خاک شو نذر ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی! افتندگی تقدیر تست
قلزمی! پائندگی تقدیر تست

تم اگر کسی ایک حالت میں ہو اور اس کے مطابق قانون خداوندی کے نتائج تمہارے لئے ناخوشگوار ہیں تو تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لو۔ اس سے خدا کا دوسرا قانون (تقدیر) تم پر منطبق ہو جائے گا اور تمہاری تقدیر بدل جائے گی۔

گر زیک تقدیر خوں گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیرے دگر
تو اگر تقدیر نو خواہی روا است
زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است

یہ ہے قرآن کریم کی رو سے تقدیر کا مفہوم۔ لہٰذا جب کہا جائے گا کہ ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی اور غالب ہے اور اس شے کو اس کی آخری منزل تک لئے جا رہا ہے۔ انسان بھی جس مقام پر اپنے آپ کو رکھے گا

اس کے مطابق خدا کا قانون (تقدیر) اس پر حاوی ہوگا۔ اب یہ بات انسان کے اپنے اختیار کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کس مقام پر رکھنا چاہتا ہے' اور اس طرح خدا کی کون سی تقدیر اپنے لئے منتخب کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کسی مقام پر رکھے' خدا کی تقدیر (قانون) سے اپنے آپ کو باہر نہیں لے جاسکتا۔ ان اللہ علیٰ کل شیی ء قدیر۔

قرآن کریم کا یہ اہم اعلان کہ کائنات میں ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین' اندازے' تناسب' توازن) مقرر ہیں' علمی دنیا میں ایک عظیم الشان حقیقت کا علمبردار ہے۔ آج سائنس کی تحقیقات اور منکشفات قدم قدم پر اس کی شہادت بہم پہنچا رہی ہیں کہ کائنات میں قانون کی کارفرمائی ہے۔ یونہی اندھیر گردی نہیں۔ یعنی تمام کائنات (Rational Basis) پر چل رہی ہے۔ آپ (Rational) کے لفظ پر غور کیجئے۔ اس کے معنی ہیں جو (Ratio) کے مطابق ہو اور (Ratio) قدر' پیمانے' اندازے' تناسب ہی کو کہتے ہیں۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا (۳۳/۳۶) اللہ کا ہر معاملہ ایک خاص اندازے کے مطابق مقرر کردہ ہے۔ یہاں ہر بات (Rational) ہے۔ اندھی فطرت (Blind Nature) کارفرما نہیں۔ نہ ہی انسان مجبور اور مقہور ہے۔ ''پہلے سے لکھا ہوا'' صرف قانون ہے (کہ فلاں عمل کا نتیجہ یہ ہوگا)۔ انسان کی ''قسمت'' نہیں۔ اپنی قسمت ہر انسان (خدا کے قانون مکافات کے مطابق) خود بناتا ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قانون خداوندی کو قرآن کریم نے قدر کہہ کر پکارا ہے۔ یہ قوانین جس طرح خارجی کائنات میں جاری و ساری ہیں (جنہیں قوانین فطرت یا Laws of Nature) کہا جاتا ہے) اسی طرح انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہیں۔ مستقل اقدار (Permanent Values) خدا کے یہی غیر متبدل قوانین ہیں جن کے مطابق انسانی اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کریم سے مقصد یہ تھا کہ نوع انسان تک ان مستقل اقدار کو پہنچا دیا جائے۔ اسی وجہ سے نزول قرآن کریم کی ''رات'' کو لیلۃ القدر کہا گیا ہے (۳-۱/۹۷)۔ وہ ''شب'' (یا تاریک زمانہ جس میں وحی کی روشنی کہیں موجود نہیں تھی) جس میں دنیا کو نئی اقدار عطا ہوئیں۔ یہ مستقل اقدار ہی ہیں جن کے احترام اور پابندی سے انسان حیوانی سطح زندگی سے بلند ہو کر' انسانیت کی سطح پر آتا ہے' اور جب کسی مستقل قدر اور طبعی (حیوانی) زندگی کے تقاضا میں تصادم ہوتا ہے (Tie پڑتی ہے) تو وہ طبعی زندگی کے تقاضا کو' بلند قدر کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ عندالضرورت' جان تک کو بھی۔ دین' نام ہی قرآن کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار کے تحفظ کا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاوید چودھری

شرم ہی تو نہیں آتی

جنرل صاحب اداس تھے اور میں اس اداسی کو ملک کے مجموعی حالات کا نتیجہ سمجھ رہا تھا' ملک کا چوتھائی حصہ سیلاب میں ڈوب چکا ہے' دو کروڑ لوگ بے گھر ہو کر کیمپوں میں پڑے ہیں' گیسٹرو' جلدی امراض اور ملیریا پھیل رہا ہے' سڑکیں' پل' ریلوے لائنیں اور بند ٹوٹ چکے ہیں' کالام سے ٹھٹھہ تک ہزاروں دیہات' قصبے اور شہر پانی میں غرق ہیں' ہم ٹیلی ویژن آن کرتے ہیں تو سکرین پر لوگوں کو خوراک کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹتے' ایک دوسرے کے گریبان پھاڑتے اور ایک دوسرے کو دھکے اور ٹھڈے مارتے دیکھتے ہیں' حکومت اور حکومت کی رٹ ختم ہو چکی ہے' شہروں میں مافیاز کی حکمرانی ہے' مضبوط شخص دریاؤں' نہروں اور بیراجوں کے بند تک توڑ دیتا ہے جبکہ مظلوم کے پاس پاؤں پکڑنے' دہائیاں دینے اور منتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا' کراچی میں ہر دو تین ہفتے بعد قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا ہے' پٹرول پمپ جلا دیئے جاتے ہیں' گاڑیوں کو آگ لگا دی جاتی ہے اور شاپنگ سنٹرز اور دکانیں لوٹ لی جاتی ہیں' آج ہی پاکستان کے خفیہ اداروں نے کراچی میں خانہ جنگی کے خدشات پر رپورٹ ایوان صدر بھجوائی' جس میں واضح الفاظ میں وارننگ دی گئی ہے اگر کراچی کے حالات پر سنجیدگی نہ دکھائی گئی تو کراچی میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور یوں یہ شہر قبرستان بن جائے گا۔ مہنگائی کنٹرول سے باہر ہو چکی ہے' بجلی موجود نہیں لیکن بجلی کے بلوں میں اضافہ ہو رہا ہے' لوگ کھانے پینے کی اشیاء کا سٹاک کر رہے ہیں' ملک میں ٹماٹر اور کھیرے ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے کلو مل رہے ہیں اور ان برے حالات میں سیالکوٹ کا واقعہ' چند لوگوں نے دو نوجوانوں کو درجنوں لوگوں کے سامنے سڑک پر لٹا کر ڈنڈے مار مار کر مار دیا اور پولیس چپ چاپ تماشا دیکھتی رہی' اس درندگی کی فلم سارا دن ٹیلی ویژن چینلز پر چلتی رہی اور یو ٹیوب کے ذریعے دنیا کے کروڑوں لوگوں نے یہ مناظر اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھے' ان تمام حالات نے پورے ملک کو اداس کر رکھا ہے' ہم سب کی نفسیات تبدیل ہو رہی ہے' ہم اداسی کے گہرے کنوئیں میں اتر رہے ہیں' غم' تاسف اور دکھ ہمارے ایک ایک ٹشو' ایک ایک سیل کا حصہ

بن رہا ہے' ہمارا معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو رہا ہے' ہم میں سے کچھ لوگ غم کی چلتی پھرتی تصویر بن چکے ہیں اور باقی بڑی تیزی سے بے حس ہو رہے ہیں' یہ دوسرے لوگ یورپ کی اس زندگی کی طرف بڑھ رہے ہیں جسے یورپ کے لوگوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران ''اڈاپٹ'' کیا تھا' جنگ نے عام لوگوں کے دماغ کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ یہ لوگ نعشوں کے درمیان کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے تھے' تمام شہروں میں بڑے بڑے کلب بن گئے تھے اور لوگ ساری ساری رات شراب پی کر رقص کرتے رہتے تھے' یورپ میں برہنہ مساج سینٹرز' ایف کے کے کلب (جس میں داخل ہونے کے لئے ننگا ہونا ضروری ہوتا ہے) اور سٹرپ ٹیس ڈانس جیسی غلاظت بھی اسی دور میں شروع ہوئی تھی' دوسری جنگ عظیم کے دوران آدھے لوگ سانس لیتی قبروں کی شکل اختیار کر گئے تھے اور باقی جنسی بے راہ روی' نشے' رقص اور پیپی ازم میں غرق ہو گئے تھے' ہماری ملکی صورتحال نے بھی اسی فیصد لوگوں کو اداس کر رکھا ہے جبکہ باقی بیس فیصد لوگ زندگی کو بے راہ روی میں تلاش کر رہے ہیں' یہ مصنوعی قہقہے لگا کر' ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اور شراب' چرس اور ہیروئن پی کر خود کو حالات سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں جنرل صاحب کی اداسی کو بھی اسی صورتحال کا نتیجہ سمجھ رہا تھا۔

میں نے جنرل صاحب کی طرف دیکھا' وہ سوپ کا تیسرا پیالہ پی رہے تھے' معاشرے میں جب عدم تحفظ بڑھتا ہے تو اس کی تین چیزوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لوگ بلاوجہ ہنسنا شروع کر دیتے ہیں' جنسی تعلقات بے راہروی کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور لوگ بے تحاشا کھاتے ہیں لہٰذا میں نے جنرل صاحب کے تیسرے پیالے کو معاشرتی عدم تحفظ کے کھاتے میں ڈال دیا لیکن جنرل صاحب نے جب اداسی کی وجہ بیان کی تو میں حیران رہ گیا۔ جنرل صاحب بنگلہ دیش کی وجہ سے پریشان تھے' جنرل صاحب کا کہنا تھا ''بنگلہ دیش نے بھی پاکستان کے سیلاب متاثرین کے لئے امداد میں اضافہ کر دیا ہے' بنگلہ دیش کی حکومت نے 20 لاکھ ڈالر کے خیمے' کمبل' پانی صاف کرنے کے پلانٹ' خشک خوراک اور ادویات پاکستان بھجوائی ہیں جبکہ طبی ماہرین کی ایک خصوصی ٹیم سیلاب زدگان کو وبائی امراض سے بچانے کے لئے عنقریب پاکستان آ رہی ہے اور یہ ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے'' جنرل صاحب نے اس کے ساتھ ہی چوتھے پیالے کا آرڈر دے دیا۔ جنرل صاحب ریٹائر آرمی آفیسر ہیں اور انہیں 1968ء سے 1971ء تک مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں کام کرنے کا موقع ملا' یہ اس سارے خطے کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ جنرل صاحب نے بتایا ''مغربی پاکستان کے لوگ' سیاستدان اور بیوروکریٹس مشرقی پاکستان کو بوجھ سمجھتے تھے' ان کا خیال تھا یہ چھ کروڑ بھوکے ننگے لوگ ہیں جنہیں نہانے کی تمیز ہے اور نہ ہی کپڑے پہننے کی' یہ ٹوائلٹ

تک نہیں جاتے اور ان کے جسم سے مچھلی کی بو آتی ہے' مشرقی پاکستان میں چھ ماہ سیلاب آتے ہیں اور ہم لوگ انہیں سیلاب سے نکال نکال کر تھک جاتے ہیں' ہم انہیں ساڑھے چار فٹ کے بونے بھی کہتے تھے' ہم انہیں پولیس اور فوج میں بھی بھرتی نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کا قد اور چھاتی کا سائز کم ہوتا تھا اور یہ انڈرویٹ بھی تھے چنانچہ 1971ء تک فوج میں سب سے بڑے بنگالی افسر کے پاس کرنل کا رینک تھا'' جنرل صاحب نے لمبا سانس لیا اور بولے ''یہ حقیقت ہے جب مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہوا تو ہمارے بیوروکریٹس' سیاستدانوں' جاگیرداروں' صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے خوشیاں منائی تھیں' ان کا خیال تھا ان کی جان چھوٹ گئی ہے لیکن آج۔۔۔!'' جنرل صاحب نے ایک لمبا سانس لیا اور بولے ''لیکن آج ہم سیلاب میں گھرے ہوئے ہیں اور وہ بنگلہ دیش ہمیں امداد دے رہا ہے جسے ہم نے سیلابوں کی سرزمین سمجھ کر اپنے آپ سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا' افسوس کا مقام ہے' بنگلہ دیش کے ساتھ ساتھ آپ بھارت کی مثال بھی لے لیجئے' ہم قحط کے دنوں میں بھارت سے دالیں' اناج اور سبزیاں تک خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے' آج سے پانچ چھ سال پہلے بھارت سے گندم منگوانے کی بات شروع ہوئی تو پاکستان میں لوگوں نے جلوس نکال دیئے تھے' ہم انڈیا سے ململ تک امپورٹ کرنے کے خلاف تھے لیکن آج بھارت نے ہمیں سیلاب زدگان کے لئے 50 لاکھ ڈالر امداد دی اور ہم نے یہ امداد بخوشی قبول کر لی' کیوں؟ ہماری پالیسی میں اتنی بڑی شفٹ کیسے آ گئی؟ ہم سماجی' اخلاقی' سفارتی اور سیاسی لحاظ سے اتنے ڈاؤن کیوں ہو رہے ہیں؟ میں جب بھی یہ سوچتا ہوں تو میں اداس ہو جاتا ہوں'' جنرل صاحب نے لمبی سانس لی' سوپ کے پیالے پر جھکے اور شڑاپ شڑاپ سوپ پینا شروع کر دیا۔

میں جنرل صاحب کی اداسی کی وجہ جان گیا' ہم واقعی چٹان سے نیچے کی طرف پھسل رہے ہیں' دنیا کی کوئی قوم (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی رشتے دار نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ نے ترقی اور تنزلی' عروج و زوال' اچھائی خرابی اور بے سکونی اور سکون کے کچھ اصول' کچھ ضابطے طے کر رکھے ہیں' جو انسان اور جو قوم ان ضابطوں' ان اصولوں پر عمل کرتی ہے وہ کامیاب ہو جاتی ہے اور جو خلاف ورزی کرتی ہے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ خواہ یہ کتنی ہی عبادت گزار اور مذہبی کیوں نہ ہو مثلاً جس قوم میں میرٹ نہ ہو' جو قوم اپنے بہترین لوگوں کو اپنا لیڈر منتخب نہ کرتی ہو' جس میں انصاف نہ ہو' جو وقت کی پابند نہ ہو' جس میں کام کا جذبہ نہ ہو اور جو تمام انسانوں کو برابر کا حق نہ دیتی ہو وہ قوم ترقی نہیں کر سکتی خواہ یہ پٹرول کے سمندر اور ہیروں کے پہاڑ پر ہی کیوں نہ بیٹھی ہو اور کوئی انسان اس وقت تک اچھی' شاندار اور پرسکون زندگی نہیں گزار سکتا جب تک یہ وقت کی پابندی نہ کرے' یہ اپنے دل اور دماغ کی کھڑکیاں نہ کھولے' یہ جذبات کو عقل پر حاوی نہ

ہونے دے' یہ آندھی ہو یا طوفان روز اپنے معمول کے مطابق کام نہ کرے' اس میں تسلسل نہ ہو' یہ روز نئی چیزیں' نئی باتیں نہ سیکھے' اس میں عاجزی نہ ہو اور یہ اللہ سے نہ ڈرے' یہ وہ سیدھے سادھے اصول ہیں جو کامیابی اور ناکامی کا تعین کرتے ہیں اور ہم انفرادی اور قومی سطح پر روز ان اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ساتھ ہی ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں ہم ترقی کیوں نہیں کر رہے' ہم آگے کیوں نہیں بڑھ رہے' آپ دیکھ لیجئے بنگلہ دیش جب تک مشرقی پاکستان تھا یہ اس وقت سیلاب میں غرق قوم تھی لیکن 1971ء کے بعد انہوں نے غلطیاں دہرانا بند کر دیں چنانچہ آج یہ اس پاکستان کو مدد دے رہا ہے جس نے اسے کبھی مسکین سمجھ کر خلیج بنگال میں پھینک دیا تھا' کیوں؟ صرف اور صرف ''رائٹ ڈائریکشن'' کی وجہ سے' بنگلہ دیش نے اپنی سمت درست کر لی جبکہ ہم نے اپنے جیٹ کی نوک زمین کی طرف موڑ لی چنانچہ آج دینے والا ہاتھ لینے والا بن چکا ہے اور لینے والا دینے والا' میں نے جنرل صاحب سے آخر میں پوچھا ''ہمیں شرم کیوں نہیں آتی'' انہوں نے میری طرف دیکھا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے ''ہمیں شرم ہی تو نہیں آتی' اسی لئے ہمارا یہ حال ہے اور جب تک ہمیں شرم نہیں آئے گی ہم اس وقت تک ایسے ہی رہیں گے کیونکہ قدرت بے شرمی کو قومی پالیسی بنانے والی قوم سے کبھی رعایت نہیں کرتی۔''

ماہنامہ طلوع اسلام

☆طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔☆پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔☆پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔☆اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے REVISED نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	-/1500روپے	-/15000روپے
اندرونی ٹائٹل	-/1200روپے	-/12000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	-/1000روپے	-/10000روپے
نصف صفحہ	-/500روپے	-/5000روپے
چوتھائی صفحہ	-/250روپے	-/2500روپے

☆مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔☆اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔

☆اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مطالب الفرقان فی دروس القرآن سے متعلق چند تاثرات

خواجہ ازہر عباس

جن حضرات تک طلوع اسلام کا پیغام نہیں پہنچا' یا جو حضرات اس تحریک کے مخالف ہیں ان کو نظر انداز کرنے کے بعد' جو حضرات اس تحریک سے متاثر ہیں' اور اس فکر کو آگے بڑھا رہے ہیں' ان میں بھی بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس تحریک کی اہمیت وافادیت کا صحیح اندازہ کر سکے ہیں' میں اس تحریک سے گذشتہ ساٹھ سال سے وابستہ ہوں اور اس ساٹھ سال میں یہ تحریک ہی میرا اوڑھنا اور بچھونا رہی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ تحریک کے وابستہ حضرات میں سے بہت کم لوگ وہ ہیں جو اس فکر کی کنہ و ماہیت (Depth) تک پہنچے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر حضرات اس کا لٹریچر پڑھ کر اس کے Rationale سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس کے چند نظریات کو پسند کرنے لگ جاتے ہیں۔

آپ اس تحریک کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس طرح لگائیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے ہمارے ہاں سینکڑوں' علماء و مفکرین پیدا ہوئے ہیں' جنہوں نے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی کو بنانے کی کوشش کی لیکن سب ناکام ہوئے امام غزالی' امام ابن تیمیہ' ابن قیم' عبدالوہاب' حضرت مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کا پورا خانوادہ' مرابطین' موحدین' سنوسی تحریک' سب نے ہی اپنی طرف سے ہر ہر جتن کر کے دیکھ لیا' مگر مسلمانوں کی بگڑی کسی سے بھی نہیں بن سکی' اور مسلمان قعر مذلت سے باہر نہیں نکل سکے۔ مگر تحریک طلوع اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد' اس کی بنیادی وجہ بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات اور یہ تمام تحاریک ''مذہب'' کے دائرہ سے باہر نہیں نکلیں اور ''مذہب'' کے اندر رہ کر مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کرتی رہیں جبکہ مذہب خود زوال کا باعث ہوتا ہے۔ ہمارے موجودہ دور میں بھی تبلیغی جماعت جیسی جماعتیں روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہیں جس کا نتیجہ مزید ضعف و کسمپرسی ہو گا۔ یہ سب محترم شخصیتیں اور تحاریک تصوف میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اب بھی ہیں۔ تصوف انفرادی نجات اور پرستش کا نام ہے۔ آپ خود غور فرمائیں جب انفرادی نجات اور پرستش مطمح نگاہ ہو گا تو نظام کا تصور کس طرح بار پا سکتا ہے۔ ہم مسلمانوں میں تحریک طلوع

اسلام پہلی تحریک ہے جو ملوکیت انفرادی نجات' پرستش کے خلاف ہے اور اقامتِ دین کی داعی ہے۔ دین میں نتائج اس دنیا میں سامنے آتے ہیں قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ دین ہر حالت میں غالب آ کر رہے گا۔ قرآن کریم اور اس عظیم المرتبت تحریک کا یہ منفرد نظریہ ہے کہ غلبہ و اقتدار اسلحہ و قوت سے حاصل نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے غلبہ و اقتدار ازخود حاصل ہوتے ہیں۔ اتباع دین سے دنیاوی مقاصد ازخود حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں' اور اسی کا منطقی نتیجہ دین و دنیا کا ایک ہونا ہے۔ اور اسی وجہ سے اسلام میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

چونکہ یہ تحریک ہمارے دور میں شروع ہوئی ہے' اس لئے ہم اس سے Detach ہو کر' اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں مذہب کا غلبہ بڑھتا چلا جا رہا ہے' لیکن مذہب کے غلبہ کے باوجود اگر یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو اس تحریک کے نتائج خود اس تحریک کی عظمت و اہمیت کی دلیل ہوں گے لیکن اگر مسلمانوں کی بدنصیبی سے یہ تحریک ناکام ہو گئی تو آنے والے مورخ اس تحریک کی اہمیت کا اندازہ ضرور لگائیں گے اور دوسرے ہم عصر لوگوں کو بھی اس کی اہمیت سے آگاہ کریں گے اور جب بھی مسلمانوں کی قسمت نے یاوری کی اور انہوں نے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی' یہ تحریک ان کی دلیل راہ بن کر ان کی راہنمائی کرے گی۔ اس کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ اس تحریک کا ایک ایک لفظ ایسا محفوظ کر دیا جائے کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ آگے منتقل ہوتا چلا جائے۔ ہم سے بہت عرصہ پیشتر معتزلہ نے قرآن فہمی کے لئے کچھ اچھی کاوشیں کی تھیں۔ اگرچہ معتزلہ علماء کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی اور انہوں نے سب نے مل کر' اچھا قرآنی فکر پیش کیا تھا لیکن ان کی اجتماعی کوشش بھی اس تحریک کے مقابلہ میں عشر عشیر حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ تحریک طلوع اسلام کے بانی محترم جناب پرویز صاحب پر' اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار برکتیں اور رحمتیں ہوں کہ انہوں نے تنِ تنہا قرآن فہمی اور اقامتِ دین کے لئے اتنا کچھ تحریر کر دیا ہے کہ معتزلہ کے سارے علماء و اکابر مل کر بھی اتنا کچھ نہیں لکھ سکتے۔

ہمارے علماء کرام میں یہ بات مشہور ہے کہ قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے ''مفردات'' اور ''کشاف'' کافی ہیں۔ اگر کسی عالم کے پاس یہ دو کتابیں موجود ہوں تو قرآن فہمی کے لئے کسی تیسری کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی' لیکن یہ بات مذہب کی رو سے درست ہے۔ یہ دونوں کتابیں دین کے تصور سے خالی و عاری ہیں۔ ''مفردات'' احادیث سے بھی متاثر ہے۔ اس کے سارے مفاہیم قرآن کے مطابق نہیں ہیں۔ رہا معاملہ کشاف کا' تو وہ تو تحریر ہی مذہب کی رو سے کی گئی ہے۔

یہ اس موجودہ دور اور مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ اس تحریک نے خالص قرآن فہمی اور اقامتِ دین کے

لئے اس قدر مواد فراہم کر دیا ہے کہ مزید کسی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس دور میں قرآن فہمی کے لئے اگر کسی عالم کے پاس ''لغاۃ القرآن'' اور ''دروس القرآن'' موجود ہوں تو اس کو کسی تیسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآنی فکر کو آگے بڑھانے میں آپ نے جو دروس القرآن کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ یہ آئندہ کے مسلمانوں کے لئے بڑی عظیم نعمت ثابت ہوگا۔ آپ اور برادر مکرم و محترم جناب ڈاکٹر منظور الحق صاحب اس سلسلہ میں جو محنت کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم دے گا۔ آپ آئندہ آنے والی نسلوں پر احسان کر رہے ہیں کہ ان دروس کا ایک ایک لفظ محفوظ کر رہے ہیں۔ یہ دروس قرآنی علم و حکمت کے وہ موتی ہیں جن کو آپ نہایت خوبصورتی سے پرو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے کہ آپ اس اہم کام کو اختتام تک پہنچا سکیں۔

☆☆☆

شیخ اللہ دتہ

لائق صدر مبارک باد ہیں آپ اور اراکینِ ادارہ طلوعِ اسلام کہ محترم غلام احمد پرویز رحمتہ اللہ علیہ کے ہفتہ وار دروس میں قرآن کریم کو ویڈیو اور آڈیو ٹیپس سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں اور مستحقِ تحسین و آفرین ہیں بزمِ طلوع اسلام لاہور کے (سابق) نمائندہ جناب محمد اشرف ظفر و دیگر اراکین بزم کہ انہوں نے اپنی لگن اور محنت سے ان دروس کو ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کی صورت میں قابل اشاعت بنایا اور اب تک اس کی ہزاروں صفحات پر پھیلی بارہ مجلدات ہدیۂ قارئین ہو چکی ہیں۔ دروس الفرقان کی موجودہ صورت میں پیش کش میں جناب ڈاکٹر منظور الحق اور جناب محمد علی فارقؔ کی کوششیں ان کے لئے باعثِ صد سعادت ہیں اور میں بھی ان کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اربابِ فکر و نظر نے' جن سے میرا رابطہ رہتا ہے' اس پروجیکٹ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ دروس کے اس ریکارڈ کو پڑھتے ہوئے اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم محترم پرویزؒ صاحب کے درس میں شریک ہیں اور قرآنی نکات دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ موصوف کو تو ہم مشکل مقام پر اسی وقت دہرانے کا کہہ نہیں سکتے تھے۔ البتہ ان کتب کے اوراق کسی بھی وقت پلٹ کر ہم ان کی صحبت میں دوبارہ جا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صد ہزار رحمتیں ہوں مرحوم پر اور دلی دعا ہے کہ ان کے انداز تفہیم اور اثر انگیزی کو قبولیتِ عامہ نصیب ہو۔

میں طلوع اسلام کا ایک پرانا قاری ہوں۔ اپنے استاد حکیم احمد دین مرحوم کے ہاں آمدہ رسائل کا مطالعہ 1952-53ء سے کیا کرتا تھا لیکن دسمبر 1957ء میں

بزم طلوع اسلام پنج کسی تحصیل کبیر والہ ضلع ملتان (حال خانیوال) کا باقاعدہ ممبر بنا۔ اکتوبر 1973ء میں بسلسلہ ملازمت لاہور آیا اور درسِ قرآن کی محفل میں محترم پرویزؒ کی وفات تک شرکت کی سعادت حاصل کرتا رہا۔ اسی دوران میں بزم طلوع اسلام لاہور میں بطور ممبر شریک ہوا اور 1974ء سے 1977ء تک بزم کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دیئے اور یوں درس کے اہتمام میں عملاً شریک رہا۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ مرحوم (1903-1985) زندگی بھر فکرِ قرآنی کو عام کرنے میں مصروفِ تگ و تاز رہے۔ تحریر و تقریر کے اس سلسلہ کا آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے شروع ہی سے ہو گیا تھا جب ان کے مضامین مشترکہ ہندوستان کے معتبر رسالوں میں چھپنے لگے اور پھر ماہنامہ طلوع اسلام 1938ء سے ان کی زیرِ نگرانی شائع ہونے لگا۔ اسی دوران شملہ اور دہلی میں جمعہ کے اجتماعات سے ان کے خطابات کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر تحریک پاکستان کے دوران بزم اقبال کی سٹیج سے انہوں نے تحریک پاکستان کی اسلامی اساس کے موضوع پر وقیع تقاریر فرمائیں۔

قیام پاکستان کے بعد ان کے درس قرآن کا آغاز 1950ء میں کراچی میں ہوا جس کا موضوع بالعموم قرآنی تعلیمات تھا۔ یہ درس اوائل 1958ء تک جاری رہا۔ پھر محترم پرویزؒ صاحب ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر لاہور منتقل ہو گئے اور جولائی 1958ء سے درس ان کی رہائش گاہ 25 بی' گلبرگ 2' لاہور پر ہونے لگا۔ یہاں شروع میں درس کے موضوعات ''قرآن کریم کے بنیادی تصورات اور مصطلحات'' رہے۔ اس دوران ملک بھر میں بزمہائے طلوع اسلام قائم ہو چکی تھیں جس میں بزم لاہور کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لاہور میں درس اگرچہ مرحوم کی رہائش گاہ پر ہی ہوتا تھا لیکن اس کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داری بزم طلوع اسلام لاہور پر تھی۔ بزم لاہور اس معاملہ میں خوش قسمت ہے کہ قرآن کریم کے ازسرِ نو باقاعدہ سلسلہ وار درس کا آغاز ان کے ہاں ستمبر 1960ء سے ہوا اور یہ پہلا دور بخیر و خوبی 31/12/67 کو اختتام پزیر ہوا۔

درسِ قرآنِ کریم کا دوسرا دور' جو پہلے کی نسبت زیادہ مفصل انداز سے تھا' 17 مارچ 1968ء سے شروع ہو کر 15 اکتوبر 1984ء تک تیسویں پارہ کی سورۃ مطففین کی آیت 26 تک پہنچا تھا کہ محترم پرویزؒ صاحب علیل ہو گئے اور ان کی وفات 24 فروری 1985ء تک پھر درس کی محفل نہ جم سکی۔ درسِ قرآنِ کریم کے پہلے اور دوسرے دور کا اکثر ریکارڈ آڈیو ٹیپس پر تیار ہوا تھا لیکن مورخہ 17 جولائی

1981ء سے سورۃ الزخرف (43:19) سے درس ویڈیو ٹیپس پر ریکارڈ کیا جانے لگا اور یہ انتظام آخر تک جاری رہا۔ یہی درس مرحوم کی وفات کے بعد سے آج تک بزم ہائے طلوع اسلام کے زیر اہتمام سنایا دیکھایا جارہا ہے۔

سورۃ الفرقان پر مشتمل حالیہ جلد (جو نومبر 2007ء میں شائع ہوئی) نے مندرجہ بالا سطور لکھنے کی تحریک پیدا کی خصوصاً اس لئے کہ کئی دوستوں اور چند طلباء نے اکثر تقاضا کیا ہے کہ مرحوم کے سورۃ البقرہ کے تفصیلی درس پہلے شائع ہونے چاہئیں کیونکہ یہ سورۃ بی اے اور اعلیٰ امتحانات کے کورس میں شامل ہے۔ ادارہ طلوع اسلام/ بزم آئندہ مجلدات شائع کرنے سے قبل اس تقاضا کو مدنظر رکھیں تو اچھا ہوگا۔

میری دلی خواہش ہے کہ ان تمام دروس کو کتابی شکل دینے کے ساتھ ساتھ بزم طلوع اسلام لاہور اسے اہم عالمی زبانوں میں ترجمہ کروا کر شائع کرنے کا اہتمام بھی کرے۔ اگرچہ یہ کام کافی محنت طلب ہو گا لیکن اس کی افادیت کے پیشِ نظر اس کے لئے وسائل مہیا کرنے کے لئے صاحبِ استطاعت اصحاب کو دستِ تعاون دراز کرنا چاہئے۔

محترم پرویزؒ صاحب ساری عمر، محض اشاعتِ کلام الٰہی کے جذبہ کے تحت یہ درس ارزانی فرماتے رہے اور کوئی معاشی فائدہ نہ مدنظر رکھا نہ حاصل کیا۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ بزم طلوع اسلام لاہور کو یہ اصول و جذبہ بدستور مدنظر رکھنا چاہئے تا کہ یہ پروگرام غیر تجارتی بنیادوں پر جاری رہ سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر انعام الحق

آپ سے سن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے سورہ بقرہ اور نساء کے دروس پر مشتمل کتب تیار کر لی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ مستقبل میں قرآن پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے یہ نعمت ثابت ہوگی۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک، فون: 5753666 42 92+، ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجینئر عبید الحمید فاروقی

قصۂ زیدؓ میں تعبیر کی غلطی

باعثِ ارقام ۔۔۔۔۔

وکیلِ عظمت وعصمتِ قرآن علامہ تمنا عمادی علیہ الرحمہ کی ایک اہم اور معروف تالیف جمع القرآن کے دیباچے میں ''صحاح ستہ'' سے خارج ایک حدیث نبوی ﷺ نظر سے گذری جس کا حوالہ مذکور نہ تھا میرے تجسس نے اکسایا تو میں نے اسی کتاب کے ''تعارف نویس'' صاحبِ دانش وقلم سے فون پر رابطہ کیا۔ غالباً 2008ء کا انجام قریب تھا۔۔۔ مجھے حوالہ تو مل گیا۔۔۔ مگر میں سراپا ان کے حوالے ہو گیا۔۔ یہ محترم شخصیت میرے لئے غیر مانوس نہ تھی تاہم تادمِ تحریر ہذا ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہو سکی۔ چند تعارفی کلمات کے بعد ہی مجھے محسوس ہو گیا کہ یہ میرے ''قلمی شناسا'' ہیں۔۔۔ میری ایک تصنیف کا بہت عرصہ پہلے مطالعہ فرما چکے ہیں۔۔۔ فون پر گفتگو کے دوران ہر بار ایک ایسا ''نادر علمی نکتہ'' ان کی زبان سے ادا ہوتا ہے جو میری سماعت سے متعارف ہوتے ہی میرے قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یوں کم از کم اس شب تو میری نیند مجبور ہو جاتی ہے اور جانے اب تک کتنی راتیں سوچوں میں غرق وقفِ اضطراب ہو چکی ہیں۔۔۔ فہم وفکر کی ہزار جہتوں سے آراستہ ایسا ''علمی نکتہ'' میرے دماغ کے ''حفاظتی حصار'' میں جگہ بنا لیتا ہے جہاں طراوت وحرارت کے مناسب ماحول میں خوب نمو پا کر جب نمود کے مرحلے میں آتا ہے تو میری فکری جستجو کا جلی عنوان بن جاتا ہے۔۔ یہ کاوش ایسے ہی ایک ''نکتے'' کی رہین منت ہے۔ اللہ آپ کی زندگی کا دامن سدا علم ومسرت سے بھرپور رکھے۔ امین یارب العلمین۔

عبید۔۔۔ ملتان

عربوں میں متبنّٰی کا مقام اور سید الانام علیہ السلام

تاریخ و سیرت کی بعض کتابوں میں رسالتمآب ﷺ اور آپ کی ازدواجی زندگی سے متعلق بعض حالات و واقعات پر گماں ہونے لگتا ہے کہ ان کا مصداق ایسا شخص ہو سکتا ہے جس کے لئے اس کے خالق و مالک نے قرار دیا ہو۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب:21)

یقیناً رسول اللہ (کی شخصیت) میں تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے۔

ان جملہ واقعات و حکایات میں ایک بیان یہ بھی ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ''متبنّٰی'' تھا۔

عربوں میں متبنّٰی بنانے کی وجوہات:

جہاں تک عربوں کا تعلق ہے تو ان میں یقیناً

''لے پالک'' کا رواج تھا جن کے یہاں اولاد نہ ہوتی وہ کسی کو گود لے لیتے تھے۔ ظاہر ہے اولاد کی خواہش ایک فطری بات ہے اگر یہ کیفیت حد سے بڑھ جائے تو اولاد سے محروم میاں بیوی کسی بچے یا بچی کو گود لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف سوسائٹی میں کسی وجہ سے بچے والدین یا سرپرست سے محروم ہو جائیں تو کوئی بڑھ کر ان کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لے تو ایسا عمل یقیناً مستحسن ہے۔ اس طرح کے کئی عوامل ہو سکتے ہیں۔ سوسائٹی میں کسی باقاعدہ نگہبان سنٹر یا کفیل ادارے کا وجود نہ ہو یا سرکاری سرپرستی کا بوجوہ فقدان ہو تو متمول افراد معاشرہ کی ایک لحاظ سے ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ایسے تنہا یا لاوارث بچوں کی کفالت کریں۔۔۔ مگر سوال یہ ہے کہ آخر قرآن نے ''متبنّٰی'' کے حوالے سے مختلف انداز کیوں اختیار کیا؟

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم. (الاحزاب:4)۔

اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے (بیٹوں) کو تمہارے (صلبی) بیٹے بنایا ہے یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔

قرآن کے توجہ دلانے کا مقصد

قرآن حکیم نے اَدْعِیَاء اور اَبْنَاء کے الفاظ استعمال کر کے واضح کر دیا کہ ''منہ بولے بیٹوں'' اور ''حقیقی بیٹوں'' میں فرق ہے۔ عربوں کے رواج میں جسے ''مُتبنّٰی'' کیا جاتا تھا اسے وہ تمام حقوق تفویض کر دیتے تھے جو حقیقی و صلبی بیٹے کو حاصل تھے۔ جملہ حقوق کا اہل قرار دینے کے ساتھ اسے اپنی سوسائٹی کے مروجہ ''محرّمات'' کا پابند بھی بنا دیتے تھے۔ یہ وہ خاص نکتہ ہے جہاں قرآن نے اپنے متبعین کی راہنمائی کی۔ عرب' متبنّٰی کئے جانے والے فرد پر تمام ''رشتے'' حرام قرار دیتے تھے جو حقیقی و صلبی بیٹوں کے لئے ناجائز تھے۔ ساتھ ہی متروکہ جائیداد یا وراثت کے رائج قوانین کا اطلاق بھی ان پر حقیقی بیٹوں جیسا کرتے تھے۔ ہماری گفتگو کا محور اول الذکر کے حوالے سے ہے۔۔۔ عربوں کے متبنّٰی بنانے کی دوسری اہم وجہ وہ ہے جس کی طرف خصوصی طور پر آپ کی توجہ مبذول کروانا ضروری ہے کہ عربوں کے یہاں اولاد نرینہ کا نہ ہونا انتہائی معیوب اور بدقسمتی تصور کیا جاتا تھا۔۔۔ اولاد کا ہونا نہ ہونا۔۔۔ ذکور (بیٹوں) کا ہونا یا اُناث (بیٹیوں) کا ہونا فطرت یا ''قسمت'' کے حوالے سے ان کے یہاں بھی ءاپنے دائرہ اختیار و قدرت سے ماوراء سمجھا جاتا تھا۔ صلبی بیٹا نہ ہونے کی صورت میں وہ کسی کو گود لے کر اپنے تئیں اس ''عیب'' یا ''بدقسمتی'' کا حل یا ازالہ کر لیتے تھے ایسا آج بھی ہوتا ہے اور ذہنی و نفسی تسکین کے لئے اپنے منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے ایسے تمام معاشرتی' معاشی' اخلاقی اور قانونی افادات و افاضات کا اہل قرار دیتے تھے۔۔۔ اس پس منظر میں باور کیا جا سکتا ہے کہ پیغمبر آخر و اعظم ﷺ نے کسی کو ''متبنّٰی''

قرار دیا تھا! اندریں صورت رسول مکرم ﷺ کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث معاشرتی رویوں پر بقول راویان آپ کو اگر رنج ہوا تو خلاق عالم نے ایسے نتیجہ خیز کلمات سے انہیں ذہنی و قلبی اطمینان و سکون عطا فرمایا کہ علم و عمل کی دنیا میں جس کی نظیر ممکن نہیں۔

انا اعطینک الکوثر (الکوثر:1)۔

بلا شک و شبہ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا۔

اور ریشہ دوانیوں میں مصروف حاسدین و معاندین کے لئے یوں فیصلہ ہوا۔

ان شانئک ھوالابتر (ایضاً:3)۔

یقیناً آپ کا حریف (دشمن) ہی بے نام و نشان رہے گا۔

دراصل آپ ﷺ کو مقام بلند پر فائز کئے جانے پر مخالفین و حاسدین آپ کے خلاف پروپیگنڈے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اولاد نرینہ نہ ہونے پر آپ کو نفسیاتی الجھنوں میں گھرا ہوا بتاتے تھے۔۔۔آپ جس مقام محمود و مسعود پر تشریف فرما تھے یہ خیال کر لینا کہ آپ (معاذ اللہ) پریشانی یا الجھاؤ میں مبتلا رہے کسی طور درست نہیں۔آپ تو قبل از اعلان نبوت اپنے بچپن اور پھر لڑکپن میں یتیمی کے باوجود پریشان نہ ہوئے بلکہ ہمہ قسم کے معاشرتی سہاروں یا آسروں سے بے نیاز یہ دُرِ یتیم (ﷺ) زندگی کی ہر الجھن اور رکاوٹ سے حسن کارانہ انداز میں نمٹتے ہوئے استغناء کے ساتھ جانب منزل رواں دواں رہا۔**ووجدک عائلا فأغنی** (الضحیٰ:8)۔

بعد از نبوت' الٰہی راہنمائی کے ہوتے ہوئے کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ اس قسم کے نفسیاتی مسائل سے آپ دوچار رہے ہوں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

نبوت عطا کی جانے والی شخصیت تو نفسی ارتکاز کی بدولت ایسی توازن بدوش اور صبر و ضبط کے حوالے سے اس قدر مضبوط و مستحکم ہوتی ہے کہ کسی کو اس کا ہم پلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس لئے کہ:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (الانعام:124)۔

اللہ (اس ہستی سے) خوب خوب واقف ہوتا ہے کہ جہاں (منصب) رسالت کو رکھے۔

یہ مقام کسبی نہیں وھبی ہونے کے حوالے سے ہر کس و ناکس کو ہزار بار چاہنے کے باوجود اس اعلیٰ و ممتاز ترین منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا اگرچہ **بل یرید کل امرئ منھم ان یؤتی صحفا منشرہ** (المدثر:52)۔ہاں (البتہ) ان میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی کتاب آئے۔

محض یہ باور کر لیا جائے کہ ''نفسیاتی الجھنوں'' کے حل یا ''رسم دنیا'' کو بار یاب کرتے ہوئے آپ نے بھی کسی کو متبنّٰی بنا لیا تھا۔قرین قیاس و حق نہیں بالخصوص نزول

قرآن کے بعد تو ایسا ہونا ممکن نہیں۔

وازواجه امهتهم (الاحزاب:6)۔

آپ (ﷺ) کی ازواج ان (مومنوں) کی مائیں ہیں۔

محولہ قرآنی الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی ازواج (بیویاں) تا قیامت مومنوں کی مائیں ہیں تو خود نبی علیہ السلام تا قیامت افرادامت کے روحانی باپ کا مقام رکھتے ہیں کیسے مان لیا جائے کہ آپ ﷺ نے ایک فرد کو ''منہ بولا بیٹا'' بنا کر اپنی لامحدود اور بیکراں حیثیت کو مقرر و مقید کر لیا ہو گا پھر اس فرمان حق کے بعد تو کسی قسم کی گنجائش رہ نہیں جاتی کہ آپ کے زمانے کا کوئی ایک مرد ''ابن محمد ﷺ'' ہونے کا دعویدار ہو۔

ادعوهم لِاٰبائهم هوا قسط عندالله فان لم تعلموا اٰباء هم فاخوانكم فى الدين و موالیكم (الاحزاب:5)۔

انہیں ان کے باپوں (کے نام) سے پکارو یہی اللہ کے یہاں قرین انصاف ہے پس اگر تمہیں ان کے باپوں کے متعلق علم نہ ہو تو وہ تمہارے دین میں بھائی اور دوست ہیں۔

صاحب رسالت و نبوت کا کردار اس کے بود و باش' اپنے معاشرتی معاملات اور رشتے ناتوں کی بابت اول روز سے نکھرا اور اجلا ہوتا ہے آپ ﷺ کے دامنِ منزہ و مطہر پر موہوم داغ تک ہونا تو کجا' اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ نبوت ملنے سے پہلے غیر محسوس انداز میں منتخب شخصیت کی تربیت اور کردار سازی ہوتی ہے۔ وہ ان تمام معاشرتی کثافتوں یا آلودگیوں سے ہر لحاظ سے محفوظ و مامون رہتا ہے جو اعلیٰ اقدار سے متبائن و متصادم ہوتی ہیں۔ خود افراد معاشرہ بھی اس کے پاکیزہ کردار پر شاہد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو محاسبے کے لئے ہمہ وقت تیار رکھتا ہے۔

فقد لبثت فيكم عمر امن قبله افلا تعقلون O (یونس:16)۔

میں نے اس سے پہلے اپنی عمر کا (معتدبہ) حصہ تمہارے اندر رہ کر بسر کیا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اگر ایسا نہ ہو تو اس ہستی کے منصب رسالت کے لئے منتخب ہونے کے بعد وہ تمام باتیں معاشرے کے چرب زبان لوگ کہنے سے قطعاً گریز نہ کرتے۔۔۔ اپنے نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس ضمن میں ان کے کردار و سیرت کو ہر لحاظ سے پاکیزہ بیان کیا۔ معاشرتی زندگی کے حوالے سے یہی وہ تمام عوامل ہیں جو کسی فرد کی اثر انگیزی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ایک نامور شخصی تجزیہ نگار مائیکل ہارٹ نے عیسائی ہونے کے باوجود محمد رسولنا و نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کائنات کی مؤثر ترین ہستی قرار دیا ہے۔ مائیکل ہارٹ نے اپنے زمانے تک کے ماقبل انسانوں کے

اژدھام سے سو (100) افراد کا انتخاب کر کے اپنی کتاب ''دی ھنڈرڈ'' میں ان کے ''متاثر کن'' ہونے کے حقائق و واقعات بیان کئے ہیں۔ ان میں سرفہرست یعنی پہلے نمبر پر محمد (ﷺ) کو رکھا ہے۔ اور ان ہی سو افراد میں سیدنا امیرالمومنین مراد رسول حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

احترام واکرام رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

اب غور کرتے ہیں الاحزاب: 4 میں الفاظ **وما جعل ادعیاء کم ابناء کم** کے روایتی پس منظر یا شان نزول پر، جس میں کہا گیا چونکہ رسالتمآب ﷺ نے جناب زیدؓ کو ''متبنّٰی'' بنایا تو ان کلمات کے ذریعے آپ کی توجہ ''مجاز'' سے ہٹا کر حقیقت کی طرف مبذول کروائی گئی۔ سادہ لفظوں میں یوں کہہ لیا جائے کہ ''تبنیت'' (لے پالک) کے عمل سے روکنا مقصود تھا۔۔۔ رسول محترم ﷺ کے حوالے سے بیان شدہ پس منظر یا شان نزول اگر درست ہے تو پھر کیا ایسا مان لیا جائے کہ آپ نے ظِہار بھی فرمایا تھا کیونکہ قرآن میں ان کلمات سے پہلے **وما جعل ازواجکم الائی تظھرون منھن امھاتکم** (اور نہ تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا ہے) کے الفاظ بھی تو موجود ہیں! (العیاذ باللہ)۔۔۔ آیت کریمہ کے ہر دو جملوں سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کا تعلق رسول علیہ السلام کی ذلت اقدس سے ہے بلکہ آپ کے توسط سے ایک عائلی و معاشرتی قاعدہ و ضابطہ بیان کیا گیا جو قرآن ماننے والوں کے اب پیش نظر رہنا چاہئے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات شرح صدر سے کہی جانی چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ نے قبل یا بعد از نبوت ہرگز کسی کو ''منہ بولا بیٹا'' نہیں کہا۔ یوں اگلی کہانی از خود بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے نسلی تفاخر اور نسبی عصبیت کے خاتمے کے لئے راویوں کے مطابق ایک ''غلام'' اور ایک اعلیٰ نسب کی خاتون، جو رشتے میں آپ کی پھوپھی زاد تھیں، سے نکاح کر دیا مگر یہ بندھن بوجوہ زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکا۔ اس ضمن میں متضاد روایات کا ایک طومار موجود ہے چونکہ زیدؓ آپ کے ''متبنّٰی'' تھے عرب رواج کے مطابق متبنّٰی کی منکوحہ بعد از طلاق ''مجازی باپ'' کے عقد میں نہیں آ سکتی تھی تو خلاق عالم نے اس پابندی کے خاتمے کے لئے سورہ الاحزاب نازل کی اور اس کی شروعات خود نبی محترم ﷺ سے کروائی تا کہ آئندہ ''متبنّٰی'' کی منکوحہ سے بعد از طلاق کوئی ''باپ'' نکاح میں ہچکچاہٹ یا تردد محسوس نہ کرے۔ طوالتِ مضمون سے بچنے کے لئے مذکورہ تلخیص پر انحصار کرتے ہوئے اس قدر عرض ہے کہ سورہ الاحزاب: 37 اس ضمن میں زیر بحث لائی جاتی ہے۔۔۔ اگر قصہ گوؤں کی کہانیوں اور راویوں کی روایتوں سے ذہن کو صاف کر کے غور کریں تو حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ بات سرے سے یہاں موجود نہیں جس کے لئے ان لفظوں کو

''شان نزول'' یا پس منظر کے بطور بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں تمام انبیاء علیہم السلام سمیت نبی محترم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جس شان اور احترام سے ذکر ہوا اس کے پیش نظر ہر مومن و مسلم پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ ہر ایسی بات کو تیاگ دے جس سے صاحب رسالت و نبوت کی شان میں سوء ادبی کا شائبہ تک محسوس ہوتا ہو انبیاء کی عصمت و عظمت کا قرآن نے شاندار لفظوں میں اظہار کیا ہے۔

لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (الانبیاء:27)۔

وہ (اللہ کی فرمائی ہوئی) بات میں (سرِمُو) آگے نہیں بڑھتے وہ (تو) اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔

اور گستاخان منصب رسالت و نبوت کا اس انداز میں محاکمہ کیا کہ رہتی دنیا تک اگر اس ہستی آخر و اعظم علیہ السلام کا ذکر خیر ہو تو جہری محسوسات سے کہیں زیادہ ''سِرّی احساسات'' سے احترام کو واجب و لازم قرار دیا۔

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (الحجرات:2)

اپنی آوازوں کو نبی (علیہ السلام) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی اس سے اونچی آواز میں بات کرو جس طرح پکار پکار کر ایک دوسرے سے بات کرتے ہو مبادا کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں احساس تک نہ ہو۔

''احساس دروں'' کے اخلاص و اطہار کا معیار بھی یہی قرار پایا کہ کسی قسم کے اظہار سے پہلے ''ادب و احترام'' کی کسوٹی پر پرکھ لو ورنہ مغفرت و اجر سے محروم ہو جاؤ گے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم O (الحجرات:3)۔

جو اپنی آوازوں کو رسول (کے ذکر) کے ہوتے ہوئے دھیما کر دیتے ہیں وہی ہیں جن کے قلوب' اللہ نے تقویٰ کے لئے منتخب کر لئے ہیں انہی لوگوں کے لئے مغفرت و اجر عظیم ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ واضح کر دیا کہ زندگی کے کسی مقام پر رسول ﷺ کے مقام و مرتبے یا احترام و اکرام کے لئے جان بھی نذر کرنی پڑے تو اس سے گریزاں نہ ہوں۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم (الاحزاب:6)

نبی مومنوں پر ان کی جانوں (زندگیوں) سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

خالق کائنات کے ان فرمودات کے باوجود مخلوقات میں

نُطق و بیان کے اعلیٰ وصف کی حامل مخلوق میں سے بعض راویوں نے ایسے واہیات وھفوات سپردِ قلم کر دیئے کہ جن کے نقل سے شرم وحیا مانع ہے کہیں کہیں خود ''بے شرمی'' بھی حجاب کا تقاضہ کرنے لگتی ہے۔الامان والحفیظ!! بعض محترم شارحین نے اگرچہ بڑی متانت اور سنجیدگی سے ان آیات کا پس منظر بیان کیا ہے۔ اس کے باوجود ان کی توضیحات ''روایات وحکایات'' کے حصار میں رہیں جس کے باہر وہ نہ جھانک سکے۔۔ اللہ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے (آمین)۔۔۔مگر کچھ ایسے بھی بے لگام ''قلمکار'' تھے جنہوں نے عبائے رسالت کو اپنے مخصوص مقاصد کے تحت آلودہ کرنے کی نامراد کاوشیں کیں۔حقیقت یہ ہے کہ روایات کو قرآن' جو خلاق العلمین کے ادراک وامر کا کلماتی شاہکار ہے' کے مقابل اگر لا کھڑا کیا جائے تو اغیار کی سوچوں پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ انہوں نے خوب خوب ان واہی روایات سے ناجائز انتفاع(Exploit) کیا بھی ہے باوجودیکہ اخلاف نے اپنی طرف سے ان پر تاویلات و توجیہات کے انبار بھی لگانے کی بے ہنگم مساعی کی ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قرآن کریم کا اپنے نزول کے پہلے دن سے آخری دن اور پہلی آیت سے آخری آیت تک مربوط ومتحد مطالعہ کریں تو ''موضوعی روایات اور فرضی حکایات'' اڑتی دھول کی طرح نظر آتی ہیں۔

فکانت هباء منبثا (الواقعہ:6)۔

اَصحابُ الرسول قرآن کی نظر میں

سورۃ الاحزاب کے نزول کا آغاز ہجرت کے پانچویں برس بتایا جاتا ہے۔سورہ کے مشمولات اور مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تنزیل کا عرصہ تقریباً چار سالوں پر ممتد ہے۔اس سے قبل مکی و مدنی ادوار کی سورتوں میں بے شمار ایسے نصائح و احکام موجود ہیں جن کے تحت صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس انداز میں تربیت ہوئی کہ جاہلی دور کی تمام تر قبیح رسوم کو انہوں نے دھیرے دھیرے تیاگ دیا اور ان کی مزاجی افتاد ایسے ڈھب پر آ گئی کہ ہدایت الٰہی کے نزول کے ساتھ ہی بطیب خاطر اس کا اتباع اپنے لئے واجب قرار دیتے تھے۔نتیجتاً وہ مرجع خلائق ٹھہرائے گئے خواہ وہ مہاجرین تھے یا انصار۔۔۔جس کی توثیق وتائید خود رب العلمین نے بایں انداز فرمائی۔

والذین اٰمنوا وھاجروا وجٰھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا و نصروا اولئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریمO (الانفال:74)۔

اور جو صاحب ایمان ہوئے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ (بھی) جنہوں نے تحفظ فراہم کیا اور نصرت کی۔ یہی ہیں مومن حقا (یعنی پکے سچے مومن) ان کے لئے حفاظت ہے اور معزز

رزق۔

معرکہ بدر میں جن قدسی نفوس کو آپ نے کھلے میدان میں لا کھڑا کیا تھا ان کی ''افتادِ طبع'' اگر اپنے ہوا و نفس کی تابع ہوتی تو کیونکر یہ میدان انکے ہاتھ آتا صرف تین سو تیرہ اصحاب' ناقص ہتھیاروں کے ساتھ' ان میں بھی اکثر پیادہ پا۔۔۔ اور۔۔۔۔ مدمقابل ہزار لشکریوں پر مشتمل رائج الوقت جدید اسلحہ سے لیس اور بکتر پوش لشکر جرار۔۔۔۔ ہے کوئی بظاہر تقابل۔۔۔ کلمات قرآنی کی راہنمائی میں رسول اللہ ﷺ کی ایسی شاندار تربیت۔۔۔ یہ تھا وہ کل اثاثہ جس نے ان کے جذب دروں کو لحہ لحہ متحد و متفق کئے رکھا اور آثار عالم کے در و دیوار پر اپنی عظیم الشان فتح کو مُنقش و کندہ کر دیا اور ساتھ ہی تاریخ کے اوراق میں محفوظ بھی۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ زندگی کے بعض انفرادی و معاشرتی یا اخلاقی و عائلی معاملات کے حوالے سے ''حکایات و روایات'' جب زیر مطالعہ آتے ہیں تو غیروں اور تنقید نگاروں کو بدر و اُحد اور خیبر و حنین کے معرکے افسانوی محسوس ہونے لگتے ہیں!!۔۔۔ خالق کائنات کے حضور میرے وجود کا اَنگ اَنگ اور رُواں رُواں سپاس گذار اور زیر بار امتنان ہے کہ اس نے ان محترم و مقدس ہستیوں' خواہ وہ صحابہ ہیں یا صحابیات' کی ایسی شاندار سیرت و تاریخ منضبط و محفوظ فرما دی کہ خارج کے تمام ذرائع اس کے مقابلے میں ہیچ اور کم تر نظر آتے ہیں۔۔۔ **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ** (التوبہ:100)۔ یہ آپ کی تربیت و صحبت کا فیضان ہی تو تھا کہ ان کے ''احساس دروں'' کی وثاقت و صداقت نے انہیں اس مرتبے پر فائز کر دیا کہ اللہ رب العزت کو ناصحانہ انداز میں اپنے محبوب و محترم رسول ﷺ سے کہنا پڑا کہ:

> اپنی نگاہیں ان سے نہ ہٹانا۔۔۔ **ولا تعد عینک عنھم.** (الکہف:28) اپنے (وجودِ مسعود) سے انہیں دور نہ کرنا جو صبح و شام وظیفہ ربانی میں مشغول ہو کر اسی (رب) کی رضا جوئی میں رہتے ہیں۔ **ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجھہ.** (الانعام:52)۔۔ بلکہ اپنے ان مومن ساتھیوں کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکائے رکھنا یعنی ان سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا۔ **واخفض جناحک للمؤمنین.** (الحجر:88)۔

بھلا بتائیے ایسے عظیم المرتبت اصحاب کی بابت رسول اکرم ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کی نسبت ہو سکتی ہے یا ان کی طرف سے آپ ﷺ کے لئے اہانت آمیز خیال و تصور کا امکان تک باقی رہ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔۔۔ اس لئے بھی کہ یہ پاک طینت حضرات و خواتین معیار حق قرار پائے کہ اگر دعویداران ایمان و اسلام آپؓ جیسا ایمان لائیں تو سمجھا جائے گا کہ ان مدعیان ایمان نے ہدایت کی راہ پالی: **فان**

امنوا بمثل ما امنتم به فقدا هتدوا. (البقرہ: 127)۔۔۔ معیار کی سند پانے والے ان صاحبان ایمان و ایقان اور پیکران صدق و وفا کی بابت جادہ حق سے ذرہ بھر ہٹی ہوئی بات کیونکر قرآنی آیات کی توضیح وتشریح قرار پاسکتی ہے۔

صحابی معاشرہ میں ایک مومن اور مومنہ کا کردار

آیہ الاحزاب: 37' کے حوالے سے حقائق معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس سے ماقبل آیت (الاحزاب:36) سے متعلق آراء کا جائزہ لے لیا جائے تاکہ بعد کی آیات میں بیان شدہ حقائق ومعارف پر اظہار میں آسانی ممکن ہوسکے۔

وما كان لمؤمن ولامؤمنة اذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا (الاحزاب:36)۔

کسی مومن مرد اور عورت کے شایان نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ فرمادیں تو وہ (مومن ومومنہ) اس امر میں کچھ (بھی اپنا) اختیار سمجھیں اور جو اللہ اور اس کے رسول (کے فیصل شدہ امر) کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں دور بھٹک گیا۔

''روایات وحکایات'' کے مطابق چونکہ ایک بڑے قبیلے کی خاتون اور آپ ﷺ کی پھوپھی (اُمیمہ) زاد جنہیں آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کے لئے آمادہ کیا مگر انہوں نے اپنے نسبی تفاخر اور زید رضی اللہ عنہ کے دامن سے غلامی کا داغ ہونے کی وجہ سے اِبا کیا اس پس منظر میں محولہ آیہ کریمہ کا نزول ہوا جس میں مومن سے راویوں کی مراد عبداللہؓ۔ (بعض روایات میں حضرت زیدؓ مراد لئے جاتے ہیں)' سے ہے جنہوں نے اس تجویز میں اپنی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا ساتھ دیا اور مومنہ سے مراد خود سیدہ زینبؓ ہیں اس قرآنی آیہ میں اگرچہ ایک عمومی ہدایت یا حکم ہے مگر مابعد آیت کے حوالے سے اسے محدود ومقید سمجھ لیا گیا۔۔۔ راویوں سے اتفاق کرتے ہوئے اگر مان لیا جائے کہ یہاں بطور مومن ومومنہ عبداللہؓ اور آپ کی بہن سیدہ زینبؓ ہیں تو سورہ الاحزاب سے پہلے اور بھی مکی ومدنی سورتوں میں ربانی فیصلے اور احکام موجود تھے جن میں ''دعویٰ ایمان'' کے شرف باریابی پانے کے لئے نبی علیہ السلام کے فیصلوں کو بہ دل وجان ماننے سے مشروط کیا گیا۔

فلا و ربک لا يومنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما. (النساء:65)۔

سو (ہرگز) نہیں' تیرے رب کی قسم! ان کا ایمان ہی

نہیں جب تک وہ اپنے باہمی اختلاف میں تجھے اپنا حَکَم نہ تسلیم کرلیں پھر فیصل شدہ امر میں اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور کامل فرماں برداری کریں۔

سورۃ النساء کا نزول اگرچہ چار ہجری بتایا جاتا ہے مگر اکثر آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ یہاں تو قسماً کہا گیا اور اس کی بھی نسبت رب سے ہے کہ اگر کوئی مومن ہے تو یقیناً نبی علیہ السلام کا فیصلہ' خواہ اس کا تعلق مومنوں کے نجی و ذاتی معاملات ہی سے کیوں نہ ہو' قبول کرتے ہوئے اپنے دل میں ذرہ برابر تنگی محسوس نہیں کرتے۔ **لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت...** الاحزاب:36 اور النساء:65۔ ایک ساتھ رکھ کر مطالعہ کریں تو ذرہ برابر امکان نہیں رہ جاتا کہ مومن ہوتے ہوئے اللہ اور رسول کے فیصلوں سے وہ کبیدہ خاطر ہوئے ہوں خصوصاً جب اس پر یہ وعید بھی ہو کہ:

ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً (الاحزاب:36)۔

جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ صریح گمراہی میں دور بھٹک گیا۔

ان قرآنی کلمات کے تناظر میں کیسے مان لیا جائے کہ صحابی معاشرہ میں کسی مومن یا مومنہ سے سرتابی کا ارتکاب ہوا ہو۔

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (الحشر:7)۔

جو تمہیں رسول (ﷺ) دیتے ہیں لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرتے ہیں رک جاؤ۔

سورۃ الحشر کا نزول بھی چار ہجری بتایا جاتا ہے۔ اس قدر واضح اور غیر مبہم ارشادات و ہدایات کے ہوتے ہوئے یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کسی صحابی یا صحابیہ (رضی اللہ عنہما) نے آپ کے حکم (یا ارادے) کو ماننے سے انکار تو کیا اپنے دل کے خفیہ خانے میں تنگی تک محسوس کی ہو!! اور وہ بھی تکبر اور نسلی تفاخر کی وجہ سے؟؟

برضا و رغبت قبول اسلام اور قلوب میں رسوخ ایمان کے بعد بھی اصحاب رسول پر یہ الزام کہ ان کے اندر جاہلیت کا نسبی و نسلی تفاخر باقی رہتا تھا۔۔۔ مانا یہ ایک پیچیدہ نفسیاتی و خاندانی مسئلہ ہے مگر حالات کی جن چیرہ دستیوں سے خود رسول کو بحیثیت محمد بن عبداللہ یتیمی کی حالت سے گذرنا پڑا ان سے بڑھ کر ان پیچ در پیچ اور تلخیوں سے معمور مسائل و معاملات سے کون واقف ہوگا ان کا اپنا نسبی و نسلی وقار ہونے کے باوجود اپنے ہی نسبی اعزہ و اقارب نے جو آپ سے سلوک روا رکھا وہ بھی راویوں کے قلم کے ذریعے تاریخ و سیرت کی کتابوں کا حصہ ہیں۔ پھر قرآن نے اس قسم کے تفاخرات کی جس طرح بیخ کنی کی ہے وہ اس گئے گذرے دور میں بھی اقوام عالم (UNO) کے چارٹر کا نمایاں اور جلی نکتہ ہے۔۔۔ چھوٹی بڑی' عائلی یا معاشرتی

غلطیوں پر قرآن نے ازالہ کے طور پر تحریر رقبۃ (النساء:92) اور فک رقبۃ (المجادلہ:3) یعنی غلاموں کو آزاد کرنے یا کروانے کو حدود اللہ میں شامل کر کے غلامی (Slavery) کو ہر ممکن مٹایا ہے۔۔۔ زید رضی اللہ عنہ کے بچپن یا لڑکپن سے ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کے باوجود اگر ان کے اندر سے خوئے غلامی ختم نہ ہو سکی یا وہ صحابہ وصحابیات (رضی اللہ عنھم) میں پُر وقار مقام نہ پا سکے تو دل تھام کے بتائیے آپ آخر کس کو موردِ طعن قرار دے رہے ہیں۔ فیاللعجب !!

زیدؓ۔ زینبؓ۔ رسول کریم ﷺ اور روایات سقیم

ان سب حقائق کے باوجود روایات وتفاسیر میں صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام سمیت اصحاب رسول کی ''دروں خانہ'' زندگی سے متعلق وہ کچھ بیان کر دیا گیا جس کی قرآن محکم ومحترم سے قطعاً تائید نہیں ہوتی۔ اس محفوظ و مامون کتاب نے ان ہستیوں کے کردار وسیرت کی تقدیس و تنزیہ کی ہے مگر سورہ الاحزاب:37' کی شرح کرتے ہوئے جن روایات کا سہارا لیا گیا ان کے ذریعے کائنات کی پاکیزہ ومنزہ ترین شخصیت سیدنا ونبینا محمد ﷺ کا عفت مآب دامن بھی ملوث کر لیا گیا جس کے لئے اگرچہ الاحزاب:36' کا نزول زیدؓ و زینبؓ کے باہمی نکاح کے لئے راستہ ہموار کرنے اور آمادہ کرنے کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو بطور ''فیصل'' بتایا جاتا ہے مگر اگلی ہی آیت میں رسول محترم ﷺ کو ایک موقعے پر سیاق وسباق (Context) سے ہٹ کر تزویج کا حصہ بنا دیا جاتا ہے اور درجہ بدرجہ اس سلسلہ ازدواج کے' بقول راویان تین کردار نمایاں ہو جاتے ہیں یعنی زیدؓ۔ زینبؓ اور خود رسول اکرم ﷺ۔۔۔ الاحزاب:36' کے نزول کے بعد عبداللہؓ اور زینبؓ نے انکار سے رجوع کر لیا اور زیدؓ سے سیدہ زینبؓ نے زوجیت کے لئے آمادگی ظاہر کر دی اور نکاح ہو گیا۔۔۔ مگر کچھ عرصے بعد میاں بیوی کے اختلافات و تنازعات نمایاں ہونے لگے یہاں بھی اگرچہ راویوں کے مطابق سیدہؓ کے اندر سے نسلی فخر کا خاتمہ نہ ہو سکا تاہم سارا الزام حضرت زیدؓ کو دے دیا جاتا ہے کہ ان کے اندر سابقہ دور کی غلامی کے باعث احساس کمتری نمایاں رہا اور سیدہ زینبؓ کے نسبی رعب سے دبے دبے سے رہتے تھے مگر کھل کر اظہار نہ کر پاتے تھے۔

اور یوں بھی !!

کچھ شارحین نے اسے یوں بھی بیان کیا کہ زیدؓ نے زینبؓ کو اس لئے طلاق دینے کا ارادہ کیا کہ رسول ﷺ خود ان کی پھوپھی زاد سے نکاح کرنا چاہتے تھے وہ یوں کہ روایات کے مطابق ایک روز نبی ﷺ زیدؓ کے گھر ان کی عدم موجودگی میں تشریف لے گئے تو آپ نے زینبؓ کو نہاتے دیکھا تو یا مقلب القلوب کہتے ہوئے واپس آئے

جس سے زیدؓ نے اندازہ لگایا کہ آپ زینبؓ کو چاہتے ہیں مگر رسولﷺ اپنے دل کی بات لوگوں کے خوف سے کہہ نہیں پا رہے تھے کہ سوسائٹی میں ''متبنّٰی'' کی منکوحہ (بعدازاں مطلقہ) سے نکاح معیوب وحرام تصور کیا جاتا تھا اللہ نے آپ کے ارادے کو بھانپتے ہوئے کہا کہ اپنے جی میں وہ کچھ چھپا رہے ہو **(وتخفی فی نفسک)** جسے (خود) اللہ ظاہر کرنے والا ہے **(مااللہ مبدیہ)** ساتھ ہی معاشرتی خوف بھی تھا **(وتخشی الناس)** آپ کو باور کروایا گیا کہ لوگوں سے نہیں اللہ سے ڈرنا ضروری ہے **(واللہ احق ان تخشہ)** نبیﷺ کے ارادے کے پیش نظر جب زیدؓ نے سیدہ زینبؓ سے ازدواجی مقاطعہ کا اعلان کردیا **(فلما قضی زید منھا وطراً)** تو ہم نے اس (زینبؓ) کا نکاح آپ سے کردیا **(زوجنکھا)**... کہیں راویوں کے واضح اور کہیں بین السطور بیانات سے یوں بھی لگتا ہے کہ اللہ رب العزت نے خود یہ تمام حالات استوار کیے ایک تو آپ کی خواہش پوری ہو جائے اور دوسرے تبنیت (لے پالک) سے متعلق عربوں کے رواج کا خاتمہ ہو سکے اور متبنّٰی کی مطلقہ سے اس کے ''مجازی باپ'' کے نکاح کا راستہ ہموار ہو سکے اور ایک عرصے پر ممتد اس معاشرتی رواج کے انقطاع پر کسی قسم کے متوقع اکراہ یا ناپسندیدگی کے ازالے کے لئے خود رسول اللہﷺ کو ''رول ماڈل'' **(Role Modle)** بنانا ضروری تھا۔ **لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءِ ھم اذا قضوا منھن وطرا...** آیہ کریمہ الاحزاب: 37 کے پس منظر میں جو کچھ اسرائیلی روایات کے ذریعے قلمکاروں نے اپنے اندر کا ''کچرہ اور لچر پن'' کاغذوں کے دامن میں بھر دیا' جس انداز میں قلم کے تقدس کو پامال کیا اور شان رسالت میں جس طرح گستاخانہ کلمات کا اظہار کیا اسے نہ چاہتے ہوئے مناسب ترین لفظوں میں تلخیصاً سمٹانے کی کوشش کی ہے۔۔۔ پھر بھی میرا قلم ندامت سے رک رک کر چل رہا ہے مگر کیا کیا جائے۔

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

دراصل روایات کو جب قرآن پر جسٹس مان لیا گیا

السنۃ قاضیۃ علی القران ولیس القران بقاض علی السنۃ۔

روایات' قرآن پر جسٹس ہوسکتی ہیں مگر قرآن (ہرگز) روایات پر جسٹس نہیں ہوسکتا۔

(سنن الدارمی' الجزءالاول' صفحہ 145)

(مؤلفہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان بن الفصل بن بھرام الدارمی متوفی 255ھ' مطبوعہ: مطبعۃ الاعتدال دمشق۔ 1349)

تو اس کا نتیجہ اسی طرح سے سامنے آنا تھا۔۔۔ قرآن کی عظمت محفوظ رہ سکی نہ ہی رسول کی عصمت بچ سکی۔ اگر قرآن کو حتمی مختار **(Sovereign Authority)** سمجھا جاتا اور عدالت عظمیٰ **(Supreme Justice)** کا

مقام دیا جاتا تو اس کے کٹہرے میں کھڑے کوئی بھی جھوگوئی اور مجال سرتابی کا ارتکاب نہ کر پاتا اور نبی آخر و اعظم اور آپ کی صحبت سے فیض یافتگان کی شان علو مرتبت میں گستاخی کا خیال تک نہ لاسکتا۔

یہ کس کافر ادا کا غمزہ خونریز ہے ساقی!

قصہ زیدؓ کی حقیقت

قرآن کریم کی ان آیات بینات (الاحزاب: 36 تا 38) میں استعمال ہونے والی ضمائر اور صیغوں کے مراجع اور ان کے استعمال میں عدم توجہی یا بے احتیاطی سے کام لیا گیا اور ''روایات و حکایات'' کو اپنے ذہن میں راسخ بلکہ مسلط کر کے ان آیات کی توضیح و تشریح کی گئی۔ آیات کے الفاظ و کلمات میں کسی قسم کی معنوی تحریف یا تاویل کئے بغیر اُلوہی بیان کی روح کو سمجھا جا سکتا تھا مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا اگرچہ بعض متاخرین نے متقدمین کی فاش غلطیوں (Blunders) کا ازالہ کرنے کی کوششیں کی ہیں اور کسی حد تک اقرب الی الحق وضاحت پیش فرمائی مگر اس قصہ کے محترم کردار وہی رہے جو عموماً بیان کئے جاتے ہیں اس کے باوجود ہم ان کے رہین منت ہیں کہ انہوں نے کم از کم ہمیں ماضی کے دلدل سے نکلنے کی سبیل بتائی اور جرأت و ہمت دی کہ مزید تحقیق و تفتیش کے ذریعے حقائق کا انکشاف و اکتشاف کیا جاسکے ان بزرگوں کی محققانہ جستجو سے حوصلہ پاتے ہوئے سب سے پہلے آیہ کریمہ الاحزاب: 37 پر گفتگو کرتے ہیں۔

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ

اور (اے رسول ﷺ) جب آپ اس شخص سے (ناصحانہ انداز میں) کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور آپ (ﷺ) نے (بھی) انعام کیا۔

آیہ کریمہ میں پہلا کلمہ وَ کے بعد **اِذْ** ہے قرآن میں جہاں جہاں یہ کلمہ آیا ہے اس کا عموماً مطلوب و مقصود گذشتہ واقعہ کی یاددہانی کرانا ہوتا ہے خواہ وہ ماضی قریب یا بعید میں ہو چکا ہو۔ واقعاتی شہادت کے حوالے سے یہ ایک محکم قرینہ ہے جس کا تحت اللفظ ترجمہ اگرچہ ''جب'' ہے تاہم اس کے بعد بیان شدہ ''واقعاتی تفصیل'' سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ **اِذْ** سے یاددہانی مقصود ہے یوں گویا وضاحتی مفہوم ہوگا ''یاد کرو جب''۔۔۔ زیر گفتگو واقعاتی شہادت کے تمام کلمات وحی شدہ ہیں۔۔ کیونکہ خود خالق کائنات اس وقوعے کو ''تحت اللفظ'' بیان فرما رہے ہیں۔

تَقُول واحد مذکر حاضر کے اس صیغے میں **مُخاطِب** (خطاب کرنے والے) رسول ﷺ ہیں اور **مُخاطَب** (جس سے خطاب کیا جارہا ہے) **الذی** کوئی ایک شخص ہے یہ اسم موصول واحد مذکر ہے دراصل **الذی** سے مراد وہ شخص ہے جس نے زیدؓ کو ''متبنّٰی'' بنایا تھا۔ ضروری نہیں یہ وہی ''زید'' ہوں جن کی نسبت رسول محترم ﷺ سے بیان کی جاتی ہے نبی علیہ السلام سے انتہائی قربت کے باعث ہوسکتا ہے لوگوں نے ''زید بن محمد ﷺ'' کہنا شروع کر دیا ہو جب کہ رسول علیہ السلام نے انہیں کبھی اپنا ''منہ بولا بیٹا'' نہیں کہا اس ضمن میں حقائق اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ آیہ کریمہ کے محولہ کلمات الٰہی کے مطابق یہ شخص

خود زیدؓ نہیں جیسا کہ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے بلکہ جس کا یہ ''متبنّٰی'' ہے وہ مراد ہے یعنی زید کا ''مجازی باپ''۔۔۔جس پر اللہ کا انعام ہوا کہ توفیق اسلام دی اور رسول علیہ السلام کا انعام ہوا کہ آپ نے انہیں مسلمان کیا اسے تلقین کی جارہی ہے۔

امسک علیک زوجک

کہ تم اپنی بیوی سے امساک (نکاح کے تعلق) کو مضبوطی سے برقرار رکھو۔

واتق اللہ. اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔۔۔ڈرنا ہے تو صرف اللہ ہی سے۔مخلوق کی باتوں سے خوف زدہ نہیں ہونا۔ **و تخفی فی نفسک** اورتم اپنے اندر اس (معاملے) کو چھپاتے (پھرتے) ہو **مااللہ مبدیہ** جسے اللہ (خود ہی تو) ظاہر کرنے والا ہے **و تخشی الناس** اورتم لوگوں سے ڈرتے (بھی) ہو۔

ان الفاظ میں خطاب زیدؓ کے مجازی باپ سے ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کے ساتھ ازدواجی معاملات کو قائم و مضبوط رکھے اسی میں اللہ کے متعین فرمودہ ضابطے کی پاسداری ونگہداشت ہے یہی دراصل اللہ کا تقویٰ ہے اب اس قسم کے زن وشو کے تعلق کو مروج رسوم اور کہنہ ضابطوں کے عادی معاشرے سے چھپانے کی بہرحال ضرورت نہیں اس لئے کہ خود خالق کائنات اپنے جاری کردہ حکم کے ذریعے اسے ظاہر کرنے والا ہے لوگوں سے کس لئے خوفزدہ ہوتے ہو جبکہ **واللہ احق ان تخشہ** اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے خشیت کرو۔

فلما قضی زید منھا و طرا پس (قبل ازیں 1) جب زید نے اس (اپنی بیوی) سے ازدواجی تعلق

---

1 ف (فاء) کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ یہ تعقیب کے طور پر آتی ہے یعنی سلسلہ بیان میں ایک کڑی کے بعد اگلی کڑی کے لئے۔۔۔اگرچہ فاء تعقیب کا سیاق و سباق کے حوالے سے تعین وتقرر ہوتا ہے مگر اس سے ہٹ کر بھی عربی ادب میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں یہ فاء استعمال تو بعد میں ہوئی لیکن پہلے کہی گئی بات پر اس کا اطلاق ہوا۔۔۔بلکہ قرآن مجید میں اس طرح سے فاء کا استعمال ہوا۔۔۔حضرت علامہ حسین علی علیہ الرحمہ کی مؤلفہ احسان التفسیر المعروف تفسیر بے نظیر کے حواشی مرحوم محمد حسین شاہ صاحب نیلوی نے تحریر فرمائے ہیں حروف المعانی کے جلی عنوان کے تحت آپ نے **ف** کے بارے میں لکھا ہے:

''**ف** کا معطوف کبھی وجود میں معطوف علیہ سے پہلے آتا ہے جیسے مشکوٰۃ میں ہے فانحرف رجل فسلم ای سلم فانحرف''

(صفحہ 294، طبع اول، ناشر مکتبہ حسینیہ جامعہ ضیاء العلوم، بلاک 18، سرگودھا)

تسلیم شدہ بات سے روگردانی پر ہی ''انحراف'' کا اطلاق ہوتا ہے مذکورہ حدیث کے اس حصے میں **''انحرف''** پہلے اور **''سلم''** بعد میں آیا ہے جس پر فاء داخل ہے تو گویا یہاں تعقیباً فاء کا استعمال نہیں ہوا۔

اس کی تائید قرآن مجید میں ملاحظہ ہو:

وکم من قریۃ اھلکنھا فجاء ھابا سنا بیاتا اوھم قائلون (الاعراف:4)

اور بہتیری بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا پس (قبل ازیں) جن پر رات میں ہمارا عذاب آتا تھا جب وہ سوئے ہوتے تھے یا وہ قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام) میں ہوتے تھے۔

آیہ محولہ میں قطعاً واضح ہے کہ ہلاکت کے بعد عذاب نہیں بلکہ بأس (شدائد ومصائب) کے نتیجے میں ہلاکت آتی ہے تو گویا **ف** کا تعلق بأس سے جوڑ کر واضح کر دیا کہ یہاں فاء بطور تعقیب نہیں بلکہ ہلاکت سے قبل کی کیفیت کے اظہار کے لئے استعمال ہوئی۔

قصہ زیدؓ میں بھی **فلما قضی زید منھا و طراً زوجنکھا** پس قبل ازیں جب زیدؓ نے اس (اپنی بیوی) سے ازدواجی مقاطعہ کر لیا تھا تو ہم نے اس (مطلقہ) کا تم (زید کے مجازی باپ) سے نکاح کر دیا۔

منطقع کرلیا تو زوجنکھا ہم نے (ہی تو) اس سے تمہارا نکاح کروا دیا تھا۔ زید رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ہم نے (یعنی اللہ کے حکم اور رسول ﷺ بطور ہادی و ناصح کے ذریعے) تجھے (زید کے مجازی باپ کو) اس (زید کی مطلقہ) کے ساتھ سلسلہ ازدواج میں منسلک کر دیا۔۔ جاری ہونے والے الٰہی فرمان کی یہ تصریح اور پہلی عملی تشکیل جو رسول محترم ﷺ بطور حامل و شارح وحی کے ہاتھوں عمل پذیر ہوئی تا کہ اس محقق و مؤثق حکم اور اس کی تعمیل میں کسی قسم کی تعذیر و تاخیر کا حربہ باقی نہ رہے زوجنا جمع متکلم کا صیغہ ہے جس میں اللہ اور اس کا رسول دونوں شامل ہیں یعنی اللہ بطور ارشاد اور حکم جاری کرنے والے اور رسول اکرم ﷺ بطور ہادی و مہدی' فیصلے پر عملاً راہنمائی کرنے والے۔۔۔ چار دانگ عالم اور تا قیامت اس عمل کی پذیرائی ضروری تھی۔ لکی لایکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاء ھم اذا قضوا منھن وطراً تا کہ (مستقبل میں بھی) مومنوں پر اپنے ''منہ بولے بیٹوں'' کی بیویوں سے متعلق (نکاح کے حوالے سے) کوئی تنگی نہ رہے جب ان سے (ان کے شوہر) قطع تعلق کر لیں۔ ترجمے میں قوسین کے اندر ''مستقبل میں بھی'' کے الفاظ اس لئے استعمال کئے گئے کہ عربی زبان میں اِذَا جب ماضی کے صیغے پر آ جائے تو اس کا ترجمہ مستقبل سے ہی مخصوص ہو جاتا ہے آیہ کریمہ کا اختتام وکان امر اللہ مفعولا پر ہوتا ہے یعنی اللہ رب العزت کا حکم ہر لحاظ سے پورا ہو کر رہتا ہے۔۔۔ جو یقیناً رسول محترم ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے تشکیل و ترتیب پانے والی قرآنی معاشرت میں پہلی بار عمل پذیر ہوا۔

امور رسالت میں اخفاء!

آیہ کریمہ کا آغاز **واذ** سے ہوا جیسا کہ پہلے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ یہ درحقیقت کسی وقوعہ کی یاددہانی کے لئے عربی زبان میں کسی واقعہ کے رونما ہونے کے بعد استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا واذ سے لے کر زوجنکھا تک ایک وقوعہ کی واقعاتی شہادت ہے جو ماضی قریب میں ہوا اور زبان وحی سے ''تحت اللفظ'' نقل ہوا اب اس کے عملی افادات و افاضات کا تعلق مستقبل سے بھی استوار کرنے کے لئے اس کے بعد **اذا** کا استعمال ہوا آپ نے غور فرمایا اس پورے واقعہ اور بیان میں رسول ﷺ بطور شارح وحی و ہادی تو دکھائی دیتے ہیں بطور خود ''ناکح'' ہرگز نہیں اور زیدؓ کے مجازی باپ کے لئے ''ناصح'' بھی' جن سے حضرت زیدؓ کی مطلقہ کا نکاح ہوا **واذ تقول** اور جب آپ ﷺ (ناصحانہ انداز) میں کہہ رہے تھے' میں **تقول** پر

توجہ فرمائیں جو مضارع مذکر حاضر کا صیغہ ہے جس کے آغاز میں **اذ** آنے کی وجہ سے ترجمہ ماضی (استمرار) میں ہو گیا خطاب کرنے والی ہستی خود رسول محترم ﷺ ہیں جن کے شارحانہ و ناصحانہ خطاب کا تسلسل آیہ کریمہ کے آخر تک جاری ہے' کیسے باور کر لیا جائے کہ مخاطب (خطاب کرنے والا) بیک وقت خود اپنا ہی مخاطب (جس سے خطاب کیا جائے) بھی ہو بعض روایات کی وجہ سے مفسرین نے **وتخفی فی نفسک** (تم اپنے جی میں کچھ چھپاتے تھے) **وتخشی الناس** (اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے) کے کلمات میں رسول اللہ علیہ السلام کو مخاطب قرار دے کر بنیادی غلطی کی ہے اس لئے کہ اگلی ہی آیت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ رسول علیہم السلام لوگوں سے کبھی نہیں ڈرتے صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اس فوری وضاحت کے علاوہ بھی قرآن میں متعدد مقامات پر رسول مکرم ﷺ سے متعلق اس قسم کی خیال آرائی کی بھرپور بلکہ شدت سے نفی کی گئی ہے لہٰذا ان کلمات میں روئے سخن نبی ﷺ کی طرف نہیں بلکہ حضرت زیدؓ کے مجازی باپ کی طرف ہے اور خطاب فرمانے والے رسول محترم ہیں۔

نبی علیہ السلام کی عوام سے خشیت؟

چند سطور پہلے ہم نے عرض کیا ہے کہ قرآنی الفاظ **وتخشی الناس** میں بھی راویوں اور مفسر حضرات کے مطابق رسول ﷺ سے خطاب ہے یعنی ''آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے''۔۔ حیرت بالائے حیرت۔۔۔ ان محترم حضرات نے اگلی آیات کو پیش نظر رکھے بغیر رسول ﷺ کو اس قرآنی جملے میں مخاطب قرار دے دیا۔ ملاحظہ فرمائیے اگلی آیت الاحزاب: 39 میں

الذین یبلغون رسٰلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ

اور وہ جو اللہ کی رسالات (بذریعہ وحی پیغامات) پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں (ہاں ہاں) وہ اللہ کے سوا کسی سے (بھی) نہیں ڈرتے۔

بس اتنی سی بات پر کہ ان راویوں کے بقول رسول علیہ السلام سے جب کہا گیا کہ وہ سیدہ زینبؓ (مطلقہ زیدؓ) سے نکاح کر لیں' تو وہ لوگوں سے اس پیغام (بذریعہ وحی) کو چھپانے لگ گئے اور ساتھ ڈرنا بھی شروع کر دیا۔ بہت خوب!!

جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

محولہ کلمات الٰہیہ کے ذریعے **تخفی فی نفسک** اور **وتخشی الناس** میں نبی محترم علیہ السلام کے حوالے سے

راویوں کی منسوب کردہ دونوں باتوں کی بھرپور تردید ہوگئی یعنی ''ابلاغ رسالت'' آپ کا فرض منصبی ہے آپ اللہ کے کسی حکم کو دل میں چھپا کر رکھتے ہیں نہ ہی دوسروں کو بتاتے ہوئے کسی سے ڈرتے ہیں آیت میں صیغے بھی جمع کے استعمال کئے گئے ہیں تاکہ آپ ﷺ کے ساتھ باقی تمام انبیاء کی عظمت بھی ظاہر ہو جائے۔ جب تمام انبیاء اللہ کے سوا کسی سے خشیت نہیں کرتے تو بھلا ختم المرسلین کے حضور اس قسم کے کلمات درخور اعتنا سمجھے جا سکتے ہیں حاشا وکلا۔۔۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ ماضی میں دیئے گئے ایسے وضاحتی بیانات کا احتساب اگر نہیں ہو سکا تو کیا اب بھی سابقہ ''روایات'' یا ''تفاسیر'' کو کسی خوف سے تجزیے یا تبصرے کے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ **وتخشی الناس** میں پیغمبر آخر واعظم علیہ السلام سے ہرگز خطاب نہیں کیا گیا ہے' ایسا سمجھنا رسول اکرم ﷺ کی توہین اور قرآنی ارشاد کی کھلی مخالفت ہے یقیناً اس کے مخاطب حضرت زیدؓ کے ''مجازی یا منہ بولے باپ رضی اللہ عنہ'' ہیں جو بہرحال رسول محترم نہیں کوئی اور شخصیت ہیں جس سے رسول ﷺ مخاطِب ہیں۔ اب اگر قرآن نے اس ''ناکح'' یا ''منکوحہ'' کا نام نہیں بتایا تو کیا یہ لازم ٹھہر گیا کہ ''روایات و حکایات'' کے مطابق کائنات کی مقدس ترین ہستی محمد نبینا و رسولنا علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کی پھوپھی زاد سیدہ زینبؓ ہی کو اس ''قصہ از دواج'' میں بطور ناکح اور منکوحہ مان لیا جائے۔ خوف خدا کو ملحوظ رکھیں **ان تحبط اعمالکم** (کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ جائیں) کی وعید کو پیش نظر رہنا چاہئے اور اس قسم کے غیر محقق بیانات یا توضیحات سے اپنا دامن بچانا چاہئے۔ ماضی کے نیک نیت لوگوں کے لئے ہماری دعا ہے **ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رء وف رحیم** (الحشر:10)۔

اور آئندہ آنے والے ارباب دانش وفکر سے ہماری دست بستہ اپیل ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اجلے اور نکھرے دامن سے ایسے کلمات کے انتساب سے ضرور اجتناب فرمائیں یہ خلاق العلمین کا فیصلہ ہے کہ

انی لایخاف لدی المرسلون

میرے نزدیک (یہ فیصل شدہ امر ہے کہ) رسولوں کو (ابلاغ رسالت میں) کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ منصب رسالت پر فائز شخصیت کے لئے لازم ہے کہ بتوسط وحی ملنے والے کلمات من وعن عوام تک پہنچا دے خواہ اس وحی کا تعلق نبی علیہ السلام کے ذاتی

معاملے سے ہو یا معاشرتی حوالوں سے ہو۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته

(المائدہ:67)

اے رسول جو کچھ آپ پر (بذریعہ وحی) آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جائے اسے (لوگوں تک) پہنچا دو اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت (کا فریضہ) سرانجام نہ دیا۔

کیسے تصور کرلیا جائے کہ تخفی فی نفسک میں رسول ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے راویوں نے ایسا بتا کر محمد ﷺ کے فریضہ ابلاغ رسالت میں فقدان کا اظہار کیا ہے کہ واضح ربانی حکم کے باوجود نبی علیہ السلام اسے چھپا رہے تھے۔ منصب رسالت کا اہم ترین تقاضہ ہے جو لفظ ''رسول یا رسالت'' کی لغت و معنی میں بھی شامل ہے کہ کسی قسم کی خبر' اچھی ہو یا بری بذریعہ وحی مل جانے کے بعد نبی علیہ السلام اپنے دل میں چھپا کر نہیں رکھ سکتے بہرصورت اس کا ابلاغ عام فرماتے ہیں۔ اس کا رسول ﷺ کو مکلّف ٹھہرایا گیا ہے۔

وان ما نرینک بعض الذی نعدھم اونتو فینک فانما علیک البلاغ (الرعد:40)

اگر ہم کسی عذاب' جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں' کو آپ کے روبرو نازل کریں یا آپ کی مدت حیات پورا ہونے کے بعد بھیجیں آپ کا کام (من وعن ہمارے پیغام کا) پہنچا دینا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے اب یہ امر واضح ہو گیا کہ الاحزاب:36 میں **وما کان لمؤمن ولامؤمنة** سے ایک عمومی فیصلے کا اظہار ہوتا ہے جو قیامت تک لوگوں کے لئے عندالضرورت قابل عمل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ حیات

یہ اسرائیلیات کا کمال ہے کہ جن میں اہل بائبل نے اپنے ایک بادشاہ داؤد (جو اگرچہ ہمارے لئے نبی محترم ہیں) کا حتّی اوریاہ نامی ایک لشکری کی بیوی سے قلبی لگاؤ کا بیان داغ دیا گیا ہے (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو بائبل میں شامل ایک کتاب' 2 سیموئیل باب 11)۔ اور اسی طرح کی ایک بے ہنگم و حواس باختہ حکایت کا ہمارے مہتم بالشان پیغمبر آخر و اعظم علیہ السلام سے بھی انتساب کرنے کی حقارت آمیز جسارت کی گئی ہے جو کتب روایات کے صفحات اور بعض تفاسیر کے حواشی میں بے سوچے سمجھے درج کر دی گئی ہے۔ بعض راویوں کا ذہن جب ایسی حیا باختہ بات قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو ہی گیا تو الاحزاب:38 میں شامل ان کلمات

ما کان علی النبی من حرجٍ فیما فرض لله له

نبی پر (ابلاغ کلام الٰہی کے بارے میں) کچھ حرج نہیں جو اللہ نے اس پر بطور فرض عائد کیا ہے۔

کو ماقبل آیت میں الفاظ وجمل کی روایات کے تحت کی گئی تشریح کے تسلسل میں بطور تائید استعمال کیا کہ زینبؓ سے نکاح کا عمل چونکہ ربانی فیصلہ ہے اس لئے نبی کا فرض ہے کہ اسے قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرے! یہاں بھی ان کی تفسیر بالرائے ہماری مذکورہ بحث کے حوالے سے درست نہیں۔ اس قسم کی وضاحت بھی مابعد آیت کے برعکس کی گئی ہے۔۔۔ الاحزاب: 38 میں نبی علیہ السلام کو بطور یاددہانی کہا گیا کہ آپ ابلاغ رسالت کا فریضہ سرانجام دینے میں کسی تنگی یا رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس پورے عمل میں نبیﷺ کا کردار اور حیثیت شارح وحی اور ناصح کے بطور ہے اس لئے کہ آپ ہر قسم کے ربانی ارشاد پر خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل کی تاکید وتلقین کرنے والے ہیں۔ ایسا کرنے کے لئے محض آپ ہی کو مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ **سنة الله الذین خلوا من قبل** (ایضاً) آپ سے پہلے (انبیاء) میں بھی اللہ کی یہی صفت رہی ہے۔۔۔ اس مماثلت کے تحت کیا ایسا باور کیا جا سکتا ہے کہ ماضی میں بھی انبیاء علیہم السلام سے (منسوب) اس قسم کا بعد از خرابی بسیار نکاح کا عمل ہوتا رہا۔ معاذ اللہ۔ نقل کفر، کفر نباشد۔۔۔ **الذین خلوا** سے مراد ازمنۂ سابق میں گذرے انبیاء علیہم السلام ہیں اس لئے کہ اگلی آیہ کے الفاظ خود اس کی تائید کر رہے ہیں **الذین یبلغون رسٰلت الله** یعنی (آپ سے قبل گذرے) وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں **ویخشونه** اور وہ اس (اللہ) سے ڈرتے تھے۔۔۔ لوگوں کی بجائے یکتا وتنہا اللہ رب العزت سے خشیت رکھنے کی خُو صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوسکتی ہے کسی دوسرے شخص غیر از نبی کے بارے قطعی ضمانت نہیں دی جا سکتی کیونکہ **ولا یخشون احدًا الا الله**... (یہ انبیاء کا گروہ ہی ہوسکتا ہے) جو اللہ کے سوا کسی سے خشیت نہیں کرتے بذریعہ وحی ملنے والے ہر قسم کے پیغام کا ابلاغ ان مقدس ومحترم ہستیوں کا اولین فریضہ رہا ہے۔۔۔ **وکفی بالله حسیبا** اور اللہ ہی محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ کائنات سے وراء الوراء ایک ہی ذات کامل ہے جس نے خود ہی اپنے بارے کہہ دیا کہ:

لا یسئل عما یفعل. (الانبیاء: 23)

جو کچھ وہ (اللہ) کرتا ہے اس کی بابت اس سے کچھ

(بھی) نہیں پوچھا جا سکتا (کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟)۔

ابلاغ رسالت اللہ رب العزت کی طرف سے عائد شدہ فریضہ ہے اخص الخاص رسولوں اور نبیوں کا۔۔۔ جب اللہ انہیں رسالت و نبوت ایسے اہم منصب و مرتبے پر فائز کرتا ہے تو لازماً تمام انبیاء و رسل اس ضمن جواب دہ (مسئول عنہ) ٹھہرتے ہیں۔ اس کی طرف **وکفی باللہ حسیبا** میں غیر مبہم صراحت ہے کہ یہ ہستیاں اپنے فریضہ رسالت کے حوالے سے اپنے رب کے یہاں احتساب کے عمل سے گذرتی رہتی تھیں اس لئے کہ:

وھم یسئلون (ایضاً)

اور وہ سب مسئول و جواب دہ تھے۔

محمد ﷺ چونکہ کائناتی و آخری رسول ہیں اس لئے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح جملہ احکام و فرامین الٰہی کی تائید، تبلیغ اور تعمیل آپ کے فرائض منصبی میں شامل رہی۔۔ مسئلہ زیر بحث میں بیان شدہ خداوندی فرمان پر آپ کی موجودگی اور راہنمائی میں عملدرآمد کروا کر گویا ''تبنیت'' کے دعویدار ''مجازی باپ'' کے لئے راستہ صاف کر دیا اور عربوں کے مزعومہ و مروجہ ''محرمات'' سے اسے یکسر خارج کر دیا۔۔۔ اور دھرتی پر کہیں اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو ہر جگہ قرآن کے ماننے والے مسلمان معاشروں میں اس فیصلے پر بوقت ضرورت عمل ہوتا رہے گا۔۔۔ آیہ کریمہ 38 کے اختتامی کلمات **وکان امرا للہ قدرا مقدورا** میں بھی واضح کر دیا گیا کہ وحی الٰہی کو جب جب، جہاں جہاں اور جس جس طرح اللہ نے چاہا اسی طرح وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ ایام اور اوقات تک کے تعین و تقرر کے ساتھ وحی الٰہی کے روبعمل ہونے کے واقعات قرآن میں موجود ہیں سورہ ھود میں ہے کہ قوم صالح علیہ السلام نے جب اونٹنی کو مار ڈالا تو ان سے دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا گیا:

تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام ذلک وعد غیر مکذوب. (ھود:65)

اپنے گھروں میں تین دن تک (زندگی سے) فائدہ اٹھالو یہ وعدہ ہے جو (کبھی) غلط نہ ہوگا۔

اسی طرح لوط علیہ السلام کے توسط سے ان کی قوم کا بدکرداری اور بدنہادی پر وقت کے تعین کے ساتھ مؤاخذہ ہوا۔

ان موعدھم الصبح الیس الصبح بقریب (ھود:81)

یقیناً ان پر آنے والی مصیبت کا مقررہ وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟

فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة من سجیل منضود O مسومة عند ربک.
(ایضاً:82)

پھر جب ہمارا حکم آ گیا (تو) ہم نے اسے تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور ہم نے اس (بستی) پر پے در پے سنگباری کی (جس کا ہر) ہر پتھر تیرے رب کے یہاں سے نشان زد تھا۔

انبیاء علیہم السلام کا محکم ایمان اور غیر متزلزل ایقان ہی انہیں کلام الٰہی کے لوگوں تک بے جھجک و بے دھڑک پہنچانے پر آمادہ پیکار رکھتا ہے ان ہستیوں کی اس طرح کے ایمانی و نفسی ارتکاز کی کیفیت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے البتہ معاشرتی دباؤ سے وقتی طور پر اندیشہ مند ہو کر بات کو چھپائے رکھنے کا امکان متبعین میں ہو سکتا ہے اس طرح کی تخفی فی نفسک اور و تخشی الناس میں بیان کردہ کیفیت زیدؓ کے ''مجازی باپ رضی اللہ عنہ'' کے ساتھ پیش آئی جو رسول علیہ السلام کی ناصحانہ باتوں سے آخر ختم ہو گئی اور یہی شیوہ ہے منیب لوگوں کا۔۔۔اس صفت سے صحابہ کی محترم جماعت بدرجہ اتم مالا مال تھی کہ لمم (تسامحات کے خیال) پر بھی فوراً رجوع کرنے والے تھے۔۔۔کبائر اثم اور فواحش سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے۔ یوں تو صغائر اور کبائر سے بھی اگر صدق دل سے توبہ کر لی جائے تو یقیناً اللہ بھی اپنی صفت غفران کا دامن کشادہ رکھتا ہے۔ان ربک واسع المغفرة.

خاتم النبین سلام علیہ اور تبنّیت

سورہ الاحزاب کے آغاز میں ارشاد ربانی وما جعل ادعیاء کم ابناء کم کو عمومیت سے خصوصیت کی طرف لاتے ہوئے اب نبی محترم علیہ السلام سے انتساب کرتے ہوئے غیر مبہم انداز میں بتایا جا رہا ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین
(الاحزاب:40)

محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

دراصل سورۃ الاحزاب کے آغاز میں کلمات الٰہیہ وما جعل ادعیاء کم ابناء کم کے حوالے سے خاص الخاص رسالتمآب علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے یہاں اللہ عزوجل نے وضاحت فرما دی کہ آپ مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ ہیں نہ مجازی۔۔۔اس بحث سے قطع نظر آپ کے یہاں اولاد نرینہ ہوئی یا نہیں۔۔۔قرآن نے بتا دیا کہ

اگر آپ کا صلبی فرزند نہیں تھا تو کسی کو آپ نے ''متبنّٰی'' بھی نہیں بنایا جس کا آپ کو کسی لحاظ سے غم تھا نہ ذہنی الجھاؤ۔۔۔جس معاشرے میں لے پالک کو اتنی اہمیت دی جاتی ہو اس معاشرے میں نرینہ اولاد نہ ہونے پر نبی علیہ السلام کو قابل احترام اگر نہیں سمجھا جاتا تو ان کے اس غلط رویے سے نبی کے احترام وتوقیر میں کیا کمی آئی؟ سورہ کوثر میں اس اہم نکتے کی وضاحت ہوئی ہے قرآن مجید نے لکن بطور حرف استدراک استعمال کر کے اس سے ماقبل کلمات کی وجہ سے کسی شخص (غیر از رسالتمآب ﷺ) کے ذہن میں پیدا ہونے والے وہم۔۔۔الجھاؤ۔۔۔یا اس سے ملتی جلتی کیفیت پیدا ہوئی یا ہوگی تو **مابعد** کے کلمات سے دور کر دیا۔۔۔**ولکن۔۔۔رسول اللہ و خاتم النبیین** آپ کی رسالت ونبوت کسی خاص زماں ومکاں کے لئے محدود نہیں بلکہ ابدالآباد تک آپ آخری وآفاقی رسول ونبی ہیں کسی طور ممکن نہ تھا کہ آپ کسی کو ''متبنّیت'' میں لے کر اپنی اس عظیم الشان حیثیت کو محدود کر لیتے جیسا کہ پہلے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ **وازواجہ امھتھم** آپ کی ازواج مطہرات ومخدرات امت کے افراد کی مائیں قرار دی گئی ہیں تو نتیجتاً آپ کی حیثیت امت کے ہر فرد کے لئے روحانی باپ کی ہے۔۔۔آپ کی آمد مبارک کے ساتھ ہی ماضی بعید سے جاری طویل مدت پر مشتمل سلسلہ ہائے نبوت ورسالت پر مہر (Stamp) نہیں بلکہ خاتم (Seal) لگا دی گئی ہمہ قسم کی نبوت ورسالت (ظلی، بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی وغیرہ ایسی موہوم وموہون نبوتوں) کی قطعاً گنجائش باقی نہ رہنے دی۔ اتحاد واتفاق انسانیت کے لئے بقول اقبال علیہ الرحمہ یہ محض عقیدہ نہیں بلکہ ضرورت قرار دے دی گئی۔ لہٰذا تا قیامت پیدا ہونے والا ہر فرد، امتی ہونے کے ساتھ روحانی اولاد میں شمار ہوگا۔ ایک تو رسالت ونبوت خود کائنات کا عظیم منصب ومرتبہ ہے پھر ختم رسالت ونبوت، آپ خود توجہ فرمائیں اس کا کیا مقام ہوگا یقیناً خالق کائنات کے عالم امر وتکوین میں اس عظیم ترین منصب پر فائز کائنات وآفاق کا اعظم واکمل انسان ﷺ ہے صرف میں نہیں کہہ رہا بلکہ غیروں نے بھی بدلائل اس کی تائید کی ہے جس کے قلب مطہر پر ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی مثال سابق میں ہے نہ آئندہ ہوگی۔

فلا اُقسم بموٰقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم انہ لقران کریم

(الواقعہ: 75 تا 77)

(کائنات کی وسعتوں میں معلق) ستاروں کے افلاک ومنازل کی قسم! اگر تم جان لو تو یہ بہت بڑی

قسم ہے کہ یہی قرآن بڑے مرتبے والی کتاب ہے۔

ایسی ارفع واعلیٰ شان یا مرتبہ کیا صُلبیّت یا تبنیّت کے باعث ممکن ہوسکتا ہے یقیناً خاتم النبیین اور صاحب قرآن ایسے لازوال و بے مثال مراتب کے آگے کائنات کی ہر چیز کم تر ہے اور یہی حقائق و بصائر ہیں جو خلاق عالم کے علم و بصر میں تھے' ہیں اور رہیں گے۔ لہٰذا دشمنوں کا یہ مضحکہ اڑانا کہ نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا' اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس کے نزدیک تو اصل اہمیت انسانی سیرت و کردار اور کسی شخص کے عظیم پیغام کی ہے یہ نبی نہ صرف اللہ کا رسول ہے بلکہ آخری رسول و نبی اور قرآن جیسا کلام الٰہی لانے والا ہے جس سے قیامت تک اس کا نام روشن رہے گا اور اس کے پیغام پُرنور (قرآن) سے پوری دنیا جگمگاتی رہے گی اسے نرینہ اولاد کے نہ ہونے سے کیا کمی ہوسکتی ہے؟

وکان اللہ بکل شئی علیما

اور اللہ ہی (ہمہ قسم کی) اشیاء کائنات (کی کنہ و حقیقت) سے (اول تا آخر) واقف ہے۔

اَلذِّکر (قرآن مجید)

آپ کی شخصیت کو رسالت و نبوت کے توسط سے تا قیامت زندہ اور نمایاں رکھنے کے لئے آئندہ آنے والے تمام لوگوں (خواہ امت کے دائرے میں شامل ہوں یا نہ) کو کہا گیا کہ اللہ رب العزت کے ذکر کو اپنی زندگی میں شامل رکھو۔ صبح و شام اس کا عملاً وظیفہ جاری رہے گا تو یقیناً منزل مراد کو پالو گے اور اس کے ذکر کو چھوڑ کر کسی غیر اللہ کے ذکر کو اگر اختیار کرو گے تو اب تک کی تاریخ انسانیت اس بات پر شاہد ہے کہ سابق میں تمام معاشرے (مع ایمان و اسلام کے مدعیان) سوالیہ نشان سے آگے نہ بڑھ سکے۔

یاایھا الذین امنوا اذکرو اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃً واصیلا (الاحزاب: 41)۔

اے اہل ایمان کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو اور صبح شام (اسی کے ذکر کے ذریعے) اس کی تسبیح کرو۔

ذکر سے یہاں کیا مراد ہے قرآن خود راہنمائی کرتا ہے۔

وھذا ذکر مبارک انزلنہ افانتم لہ منکرون (الانبیاء: 50)

اور یہ (قرآن ہی) مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا۔ کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔

قرآن ہی اللہ کا ذکر ہے باقی تمام اَذکار و تذکار اور

وظائف واَوراد اسی قرآن سے تائید وتوثیق پا کر ہی شرف باریابی پا سکتے ہیں جو انسان کی نفسی وروحی تقویت کا باعث بنتے ہیں مگر اس عظیم ذکر (قرآن) میں تذکر، تدبر اور تفکر ہی سے جملہ معاشرتی و معاشی اور آفاقی و کائناتی مفادات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔۔۔ جو کچھ روایات میں قرآن کی مذکورہ آیات (الاحزاب: 36 تا 38) کی تشریحات ہوئی ہیں اگر انہیں اکٹھا کر لیا جائے تو روایات، حکایات کی صورت اختیار کر گئی ہیں جن کے اندر بے پناہ تضاد وتصادم ہے محولہ آیت (الاحزاب: 41) کو پیش نظر رکھ کر تدبر وتفکر سے کام لیا جائے تو اس قسم کے تمام تضادات **ھبــــــاء ا منثورًا** ہوتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ:

وانــزلـنــا الیک الـذکــر لتبین للنـاس مـــانــزل الیھــم ولــعـلھــم یتـفـکـرون

(النحل: 44)

ہم نے آپ کی طرف الذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ (اس کے ذریعے) آپ لوگوں کو کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا شاید (یوں) وہ تفکر سے کام لے سکیں۔

کیسے ممکن ہے کہ خلاق عالم کے بیان و فرمان میں تضاد ہو ماضی، حال اور مستقبل اس کے سامنے یکساں حیثیت رکھتے ہوں ہر چیز کا ظاہر و باطن اس کے آگے ایک جیسا ہو جو اس کے ادراک وعلم میں ہے کیونکہ اس کے اظہار و بیان میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

افـلا یتـدبـرون القران ولو کان من عند غیـر اللــہ لـو جـدوا فیـہ اختلافا کثیراً

(النساء: 82)

بھلا وہ قرآن میں تدبر (غور وفکر) کیوں نہیں کرتے اگر یہ (قرآن) غیراللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں اختلاف کثیر پاتے۔

بات طے ہوگئی کہ اس ذکر (قرآن) میں قلت تدبر کے باعث اس قسم کی متضاد باتیں روایات کے توسط سے تفاسیر میں راہ پا گئیں حقیقت کا یکتا وتنہا اور اجلا ونکھرا روپ ہوتا ہے جب کہ باطل کے کئی روپ/ بہروپ ہیں جسے قرآنی آیات کی تشریح وتعبیر ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اسی ذکر یعنی قرآن کے بارے سورہ فصلت (حم السجدہ) میں پوری تحدی اور تمکنت سے یوں فرمایا:

ان الـذیـن کـفـروا بـالـذکر لما جاء ھم وانـہ لـکتٰـب عـزیـزہ لا یاتیہ الباطل من بیـن یـدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمیدO (حم السجدہ: 41-42)

جنہوں نے الذکر (قرآن) کا انکار کیا جب وہ ان کے پاس آ گیا حالانکہ یہ تو عالی مرتبت (غالب آنے والی) کتاب ہے باطل جس کے سامنے نہ پیچھے سے آ (داخل ہو) سکتا ہے (اس لئے کہ) وہ زبردست حکمت وحمد (خوبیوں) والے (اللہ) کی طرف نازل شدہ ہے۔

قارئین محترم! اب روایتی قصہ زیدؓ پر نظر ڈالیں جو کئی حکایات کا مجموعہ ہے کیا محولہ قرآنی آیات کی روشنی میں انہیں شرف پذیرائی ملنا چاہئے پس شرط یہ ہے کہ **سبحوہ بکرۃً واصیلا** صبح شام اس بحرِ ذخار و بے کنار کے غواص بن کر گہرائیوں میں اترنا ہوگا تب جا کر گوہر ہائے تابدار و تابناک میسر آ سکتے ہیں جو اپنی حقیقی و اصلی آب و تاب کے باوصف کھوٹوں پر ممتاز و متمایز نظر آئیں گے۔ اس قسم کے تفحص و تفکر کے بعد ہی دھند لکے چھٹنے لگتے ہیں اور منزل کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔

ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور و کان بالمومنین رحیما (الاحزاب:43)

وہی تو ہے جو تم پر صلوۃ بھیجتا ہے اور اس کے ملائکہ بھی، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اللہ مومنوں پر رحیم ہے۔

اس قسم کے بے لاگ تحقیقی عمل سے ہی خود رب کائنات اور اس کی نادیدہ قوتیں تمہاری معین و مددگار بن جائیں گی جو جہالت کی گھٹاٹوپ تاریکیوں سے نکال کر آگہی و معرفت کی اجلی و روشن راہوں پر گامزن کر دیں گی پھر کیونکر ممکن ہوگا کہ ایک متجسس و محقق راہی جادہ حق سے بھٹکتا پھرے اللہ رب العزت اپنے ایسے مومن بندوں سے شروع سے ہی رحیم (مشفق و مہربان) چلا آ رہا ہے۔

والذین جاھدوا افینا لنھدینھم سیلنا (العنکبوت:69)

جن لوگوں نے ہمارے (راستوں کے) لئے کوشش کی تو ضرور بالضرور ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کر دیں گے۔

الاحزاب:43 میں **یصلی** جو واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے کی جمع الاحزاب:56 میں استعمال کر کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو عملاً اعزاز و شرف بخشا۔

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی

یقیناً اللہ اور اس کے ملائکہ اپنے نبی پر صلوٰۃ (کا عمل) کرتے ہیں۔

ہم اپنی زبانِ حال و قال سے جو الفاظ بطور صلوٰۃ و سلام

اپنے رسول آخر و اعظم ﷺ کے لئے ادا کرتے ہیں ایک ایسی ذات والا صفات کے حضور بطور فرمائش و درخواست کہتے ہیں جو کسی کی محتاج نہیں کیا وہ ذات یعنی اللہ عزوجل اسی قسم کے الفاظ یا کلمات استعمال کر کے اپنے محبوب کے درجات و مقام بلند کرتا ہے۔۔۔غور طلب بات ہے۔۔۔ تو پھر کیا اس طرح کے کلمات کہہ کر وہ کسی اور ہستی سے اپنے محترم رسول کے لئے صلوٰۃ وسلام کی اعانت طلب کرتا ہے۔ العیاذ باللہ۔۔یقیناً ایسا نہیں بلکہ اللہ رب العزت جو آفاق و افلاک **وما بینھما** کا واحد و وحید فاطر و بدیع اور خالق و مالک ہے اس کی صلوۃ دراصل اپنے محبوب و محترم رسول ﷺ کی عملاً نصرت و مدد ہے اس لئے کہ اس نے خود کائنات میں سے ایک فرد جلیل و عظیم کا انتخاب کر کے اس کے ذمے اہم ترین اور اعلیٰ ترین کام سپرد کیا جو کامل یکسوئی اور مکمل دیانت کے ساتھ کسی قسم کا دقیقہ فروگذاشت کئے بغیر سرانجام دیتا رہا۔**ان لک فی النھار سبحاً طویلا** (المزمل:7)۔اس کی نصرت و تائید اس کی اپنی شان کے مطابق ہوتی رہی۔**وما رمیت اذرمیت و لکن اللہ رمی** (الانفال:7)۔

تیر قضا ہر آئینہ از ترکش حق است
لیکن کشود آں زکمان محمد است

مگر اس نے اپنے مومن بندوں سے بھی کہا کہ زبان سے ضرور میرے رسول کی توصیف و تحمید کرو مگر اپنی بشری قوتوں کو بھرپور روبعمل لا کر اس کی عملاً نصرت و مدد کرتے رہو۔

یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ

اے اہل ایمان (تم بھی) اس (میرے نبی ﷺ) پر صلوۃ بھیجو۔

یعنی جو میرے پیغمبر آخر و اعظم کا مشن تھا اس میں اس کی نصرت ہمیشہ جاری رکھو اب اگر وہ تم میں بجسدہٖ موجود نہیں مگر وہ رسالت و نبوت کے افق پر تا اَبد نیّر تاباں (سراج منیر) کی طرح چمکتا دمکتا رہے گا اور اپنی ضیا بار کرنوں سے ہر سُو اجالا کرتا رہے گا۔**ویسلموا تسلیما** ضرور اس پر سلام و رحمت کے پھول نچھاور کرتے رہو مگر جو اس نے ذکر یعنی قرآن کے توسط سے رہنما اصول مہیا کئے ہیں اس کی زیر ہدایت اس نے جو فیصلے صادر فرمائے ہیں ان کے آگے عملاً سر تسلیم خم کرتے رہو۔**ولا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما** (النساء:65) منجملہ یہی نچوڑ اور خلاصہ ہے گذشتہ تفصیلی گفتگو کا۔

بازگشت

مذکورہ تفصیل پر نگاہ بازگشت ڈالتے ہوئے اہم نکات ایک بار پھر ملاحظہ ہوں۔

☆ قرآن نے عربوں کے ہاں مروجہ ''تبنیت'' کو مسترد (Veto) کر دیا۔

☆ محمد ﷺ نے بحیثیت پیغمبر آخر و اعظم اور تا قیامت امت کے ہر فرد کے ''روحانی باپ'' ہونے کے ناطے کسی فرد کو ''متبنّٰی'' نہیں بنایا ایسا بتا کر گویا آپ کی لامحدود و بیکراں حیثیت کو محدود و مقید کرنے کی کوشش کی گئی جو کسی لحاظ سے قرین

حق وانصاف نہیں۔

☆ اس پورے ''قصہ ازدواج'' میں آپ کی حیثیت ہادی اور ناصح کی ہے۔۔ناکح کی ہرگز نہیں۔

☆ حضرت زید رضی اللہ عنہ کسی صحابی کے منہ بولے بیٹے تھے جب زید رضی اللہ عنہ کا اپنی منکوحہ سے ازدواجی تعلق نبھ نہ سکا تو ان (زیدؓ) کے مجازی باپ رضی اللہ عنہ نے قرآنی (الٰہی) اجازت کی رو سے ارشاد نبوی کے مطابق اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔

☆ اسی محترم شخص سے کہا گیا کہ **تخفی فی نفسک** تم اپنے دل میں اس نکاح کی بات چھپاتے پھرتے ہو (یہ کہ لوگ اس طرح کے بندھن سے متعلق کیا کہیں گے مگر اللہ وحی کے ذریعے اس قصے کو خود ظاہر اور واضح کرنے والا ہے **ماالله مبديه**...

☆ اسی محترم شخص کے متعلق کہا گیا کہ **وتخشی الناس** تم لوگوں سے ڈرتے پھر رہے ہو۔۔۔ مگر۔۔۔**والله احق ان تخشه** اللہ ہی ہے جس سے ڈرنے اور خشیت کرنے کا اصل حق ہے۔ وحی رسالت کے توسط سے ملنے والے ہر پیغام کے ابلاغ عامہ میں نبی ﷺ کبھی لوگوں سے خوفزدہ نہ ہوئے تھے۔

☆ اس لئے کہ جب زیدؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ہم (یعنی اللہ بطور حکم جاری کرنے والے اور رسول بطور مبلغ وحی) نے اس خاتون کا تم سے نکاح کروادیا۔۔زوجنکھا..

☆ تاکہ آئندہ ''تبنّیت'' کا مدعی کوئی ''مجازی باپ'' اس طرح کے حالات پیدا ہونے کی صورت میں اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اپنے دل میں کسی مخمصے یا تنگی کو جگہ نہ دے۔**لکیلا یکون علی المومنین حرج.**

☆ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح نبی آخر و اعظم کا بھی اولین فریضہ تھا کہ وہ ''ابلاغ رسالت'' میں پوری تندہی سے مگن و مستعد رہیں بطور آفاقی و آخری رسول اور ہادی و مہدی آپ کا یہ بھی فرض تھا کہ ہر حکم ربانی کو دوسروں تک پہنچائیں اور اس پر عمل کی تاکید و تلقین کرتے رہیں اور ایسا عملاً ہوا۔

☆ خاتم النبیین اور صاحب قرآن ایسے لازوال و بے مثال مرتبے اور منصب کے آگے کائنات کی ہر چیز کم تر درجہ رکھتی ہے ایسی ارفع و اعلیٰ شان یا مرتبہ کا حصول کیا ''صُلبیت'' یا ''تبنیت'' یعنی نرینہ اولاد سے ممکن تھا۔۔۔ہرگز نہیں۔

☆ الذکر سے مراد اصلاً قرآن ہے جس کے اندر موجود ادعیات واذکار اگرچہ نفسی وروحی ارتکاز واطمینان کا باعث بنتے ہیں مگر پورے ذکر یعنی قرآن میں تفحص، تدبر اور تفکر کے بعد حقائق و معارف سے آگہی کے ساتھ جملہ معاشرتی و معاشی اور آفاقی و کائناتی مفادات حاصل ہوکر رہتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيبُ (11:88)-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

استدراک کی مزید وضاحت

میری ایک تقریر مضمون کی شکل میں طلوع اسلام بابت اگست 2009ء میں بعنوان ''حضرات گرامی قدر'' طبع ہوئی تھی جس میں تحریر کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت انفرادی طور پر نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ اسلامی نظام کی معرفت ہی ہوسکتی ہے۔ چند حضرات کو اس معاملہ میں تردد ہوا تو اس تردد کو رفع کرنے کے لئے ایک مختصر سا مضمون بعنوان ''استدراک'' تحریر کیا گیا جس میں اس مسئلہ کو آیات قرآنی کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا، اس ''استدراک'' کے مطالعہ کے بعد میرے چند محترم قارئین نے یہ اعتراض فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اسلامی نظام کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے اور بغیر نظام کے نہیں ہوسکتی تو حضورﷺ کا وہ دور جو آپؐ نے مکہ شریف میں گذارا تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کس طرح ہورہی تھی۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے احکام کی اطاعت ہی ہے، یہ احکام وقوانین قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں، اس لئے قرآنِ کریم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اسلام چونکہ انفرادی مذہب نہیں ہے بلکہ یہ اجتماعی نظام ہے اس لئے انبیاء کرامؑ اول دن سے اس نظام کے قیام کی کوشش کرتے تھے، اسلامی نظام خود تو آسمان سے نہیں ٹپک سکتا، اس کے قیام کے لئے تو رسول اور اس کے ساتھی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ جب تک وہ نظام کے قیام کی کوشش کرتے تھے جب بھی رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی تھی اور جب وہ نظام قائم ہوجاتا تھا جب بھی رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، نیز یہ رسول کا منفرد مقام ہوتا تھا کہ اس کی اطاعت سے سرتابی کسی حال میں نہیں کی جاسکتی۔

حضورﷺ نے جب اقامت دین کی دعوت دی تو انصار ومہاجرین نے تنگی وعسرت کے وقت حضورﷺ کا ساتھ دیا 9:116، اور اس وقت حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی۔ جب بھی کوئی جماعت اقامت دین کے لئے کھڑی ہوگی، اقامت دین کی کوشش کی حد تک اس جماعت کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت ہوگی۔ دربارِ فرعون کے

مردمومن نے کہا تھا: يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ (40:38)- بھائیو' میرا کہنا مانو میں تمہیں ہدایت کا راستہ دکھادوں گا۔ یہاں مردمومن کا اتباع اس کی ذاتی اطاعت نہیں تھی۔ بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی جماعت میں شامل ہوکر اقامتِ دین کی کوشش کر رہا تھا' اس لئے اس کا اتباع حضرت موسیٰؑ کی اطاعت تھی۔ اس موجودہ دور میں بھی جو جماعت اقامتِ دین کے لئے کھڑی ہوگی۔ اس کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی تا آنکہ وہ اسلامی نظام قائم کرے تو پھر اس نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت براہ راست کبھی نہیں ہوسکتی' اس کی اطاعت صرف نظام کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے۔ البتہ مذہب میں انفرادی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جاسکتی ہے۔ دین میں جس کی عبادت ہوتی ہے' اسی کی اطاعت ہوتی ہے' البتہ مذہب میں عبادت کسی ایک کی اور اطاعت کسی دوسرے کی ہوسکتی ہے' قرآن کریم اسی تفریق کو مٹانے آیا تھا' قرآن کی رو سے جس کی عبادت ہوتی ہے' اسی کی اطاعت کرنا بھی لازم ہوتا ہے عبادت ایک کی اور اطاعت کسی دوسرے کی کرنا' قرآن کی رو سے حرام ہے (4:60)-

سانحہ ارتحال

بزم طلوع اسلام سی بریز کراچی کے نمائندہ شفیق خالد صاحب کے والد محترم چودھری محمد صدیق 14 ستمبر 2010ء کو وفات پاگئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ شفیق خالد صاحب اور ان کے دیگر اعزہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ضرورت رشتہ

خوش سیرت' خوش صورت' اعلیٰ تعلیم یافتہ (ایم۔اے ہسٹری) 32 سالہ نوجوان کے لئے قرآنی اقدار سے ہم آہنگ زوج کی ضرورت ہے جو (یورپ)' امریکہ' کینیڈا میں رہائش پذیر ہو۔ خودمختار یا سرپرست درج ذیل پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

موبائل: +92-334-6881423' ای میل: perwaizkhan44@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(یکے از مطبوعات ادارہ باغبان ایسوسی ایشن)

سبز انقلاب

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر ماہ کی 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں۔ جن میں باغبان اپنے تجربات، مشاہدات اور دیگر نظری معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی خاص، منفرد قسم کی بات یا دوسروں تک پہنچانے کی ضروری معلوماتی چیز ہو تو اسے نوٹ کر کے باغبان ایسوسی ایشن کے مرکز تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ نکتہ ریکارڈ پر آ جاتا ہے۔

☆ باغبان ایسوسی ایشن کی ممبرشپ پوری دنیا میں سب سے آسان ہے۔ سالانہ چندہ صرف دو روپے اور کوئی سے 10 عدد پھلدار پودہ جات کی فہرست اور اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو سٹیٹ دے کر ممبرشپ حاصل کی جا سکتی ہے۔ تاحیات ممبرشپ کے لئے -/100 روپے یک مشت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی رسید جاری کی جاتی ہے۔

﴿مری میں باغبانی کے 100 سال﴾

مری میں باغبانی 14-1913ء سے شروع ہوئی تھی۔ جب بیرونی پودہ جات مری میں لگانے کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے صرف مقامی پھلدار پودہ جات تھے۔ باغبانوں سے التماس ہے کہ وہ چند معلومات میں تعاون فرمائیں۔ 100 سال کی عمر کے پرانے بزرگوں سے پوچھ کر بتائیں کہ مری میں کس نے؟ کب؟ اور کیا کچھ باغبانی کے لئے کیا۔

☆ آیئے ہفتۂ شجرکاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور سبز انقلاب کے لئے کام کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: (1) ملک حنیف وجدانی، صدر باغبان ایسوسی ایشن، سنبل سیداں، نیو مری۔

(2) صبینہ یاسمین، سینئر نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، ٹبی سیداں، سوہاوہ، جہلم۔

(3) تنویر صادق، نائب صدر، باغبان ایسوسی ایشن، مکان نمبر 6/18، گلی نمبر 1، میاں چنوں، خانیوال۔

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین‘فون۔0992-334699‘موبائل0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق‘ مکان نمبر 302‘ سٹریٹ نمبر 57‘ سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق‘ فون نمبر 051-2290900‘ موبائل:0333-5489276	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی‘ بیت الحمد‘ 180-AB-4‘ شادمان کالونی‘ ایم۔اے جناح روڈ‘ رابطہ میاں احمد علی:0442-527325‘ موبائل:0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
بچ کسی	برمطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن‘ پوسٹ آفس فوجی ملز‘ نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز‘ زرعی سروس‘ ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔موبائل:0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9‘ گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج‘ فون:047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری‘ B-12‘ حیدرآباد ٹاؤن‘ فیز نمبر 2‘ قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون:022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور‘ کمرہ نمبر 114‘ فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔	بروز جمعہ	4PM
	رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ‘ موبائل:0331-5035964	بروز اتوار	4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود‘ مکان نمبر 14/A‘ گلی نمبر 4‘ راہِ طلوع اسلام‘ جنجوعہ ٹاؤن‘ اڈیالہ روڈ‘ نزد جراہی سٹاپ‘ راولپنڈی۔رابطہ: رہائش:051-5573299‘ موبائل:0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان‘ محلہ نظام آباد‘ وارڈ نمبر 9 خان پور‘ ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر:068-5575696‘ دفتر:068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0303-8621733	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ ویز ڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر C-15، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھاتہ داران حضرات

﴿خصوصی توجہ فرمائیں﴾

جن کھاتہ داران نے اپنے اپنے کھاتوں سے مجلّہ طلوع اسلام جاری کروایا ہوا ہے ان سے گذارش ہے کہ آپ اپنی فہرست خریداران 15 دسمبر 2010ء تک ادارہ طلوع اسلام کو بھجوا دیں اور جن کو میگزین سال 2011ء کے لئے جاری رکھنا مقصود ہو یا جن کے میگزین بند کرنے ہوں' مکمل فہرست' ایڈریس کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ بروقت عمل درآمد ہو سکے۔ شمارہ کی اشاعت میں اضافہ آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پاکستان میں یونیورسٹیز' کالجز کی لائبریریوں کو لندن بزم و ناروے بزم کے تعاون سے 100/100 میگزین بھیجے جا رہے ہیں جو کہ بہت کم تعداد ہے۔ اگر بیرون ملک یا اندرون ملک کی بز میں مزید تعاون کریں تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے اور پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں میں میگزین بھیجنا ممکن ہو سکے گا۔ امید ہے کہ بز میں اس مسئلہ پر تعاون کریں گی۔

کھاتہ داران جن کے ذمے طلوع اسلام کی رقم بقایا ہے ان کو ان کے کھاتوں کی تفصیل بھجوائی جا رہی ہے تاہم اگر کسی وجہ سے یہ ان تک نہ بھی پہنچے تو بھی تمام کھاتہ داران سے التماس ہے کہ وہ اپنے کھاتوں میں معقول رقم جمع کرانے کا اہتمام کریں تا کہ واجب الادا رقوم کی وجہ سے ادارہ مالی پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔

بینک اکائونٹ کے لئے ضروری وضاحت

1- بینک کا اکاؤنٹ نمبر۔ 3082-7

2- بینک کا نام۔ نیشنل بینک آف پاکستان' مین مارکیٹ برانچ گلبرگ' لاہور (پاکستان)۔

3- نام اکاؤنٹ۔ ادارہ طلوع اسلام

شکریہ

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لاہور

ENGLISH PAMPHLETS BY IDARA TOLU-E-ISLAM

Are All Religions Alike	5
How Sects can be Dissolved?	5
Islamic Ideology	5
Man & God	5
Quranic Constitution in an Islamic State	5
Quranic Permanent Values	5
What is Islam?	5
Why Do We Celebrate Eid?	5
Why Do We Lack Character?	5
Why is Islam the Only True Deen?	5
Woman in the Light of Quran	5
As-Salaat (Gist)	15
Economics System of the Holy Quran	15
Family Planning	15
Human Fundamental Rights	15
Is Islam a Failure?	15
Man & War	15
Rise and Fall of Nation	15
Story of Pakistan	15
The Individual or the State	15
Unity of Faith	15
Universal Myths	15
Who Are The Ulema?	15

ENJOY YOUR STAY AT

HOTEL PARKWAY (PVT.) LTD.

NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

ALL COMFORTS AVAILABLE:

- T.V. & FAX
- TELEPHONE EXCHANGE
- LIFT, INTERNET
- AIR-CONDITIONED
- CAR PARKING
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com